امام ربانی مجدد الف ثانی
و
امام احمد رضا
مؤلف
جیلانی بکڈپو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام دین مجدد الف ثانی
و
امام احمد رضا

۲۰۱۱ء

﴿مؤلف﴾

مولانا مفتی محمد ساجد حسنی قادری

پورنپور، پیلی بھیت

﴿ناشر﴾

جامعہ خدیجہ للبنات، اشرف نگر، پورنپور، پیلی بھیت

نام کتاب: امام دین مجدد الف ثانی و امام احمد رضا

مؤلف: مولانا مفتی محمد ساجد حسنی قادری

پورنپور، پیلی بھیت9636316786/8923565192

تصحیح: مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری

پروف ریڈنگ: مفتی نور محمد حسنی پیلی بھیت

ناشر: جامعہ خدیجہ للبنات اشرف نگر پورنپور، پیلی بھیت

کمپوزنگ: دانش کمپیوٹر سینٹر بڑا گاؤں امجدی روڈ گھوسی ضلع مئو

سن طباعت: ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء

تعداد: 1100

صفحات: 168

قیمت:

خواجہ امام اسلامک ٹرسٹ پورنپور، پیلی بھیت

برکاتی کتاب گھر پورنپور، پیلی بھیت

الاشرف اکیڈمی، دہلی

جیلانی بکڈپو، دہلی

فہرست

امام دین

مجدد الف ثانی

علیہ الرحمہ

تقریظ

بانی جامع اشرف شیخ اعظم حضرت علامہ الشاہ مفتی سید
محمد اظہار اشرف اشرفی الجیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان
سجادہ نشین خانقاہ اشرفیہ حسنیہ سرکار کلاں درگاہ کچھوچھہ شریف

زیر نظر کتاب ''مجدد الف ثانی و امام احمد رضا'' بہت سلیس و آسان ہے، اس سے لوگوں کو استفادہ حاصل کرنا چاہیے، اس کتاب کو دیکھ کر جس قدر مسرت و شادمانی ہورہی ہے اس بستر علالت پر لیٹا اسے نہ تو میں اظہار کی زبان دے سکتا ہوں اور نہ ہی قلم بند کرسکتا ہوں۔

دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ ان کی اس کوشش کو قبول ومقبول فرمائیں۔(آمین)

سید محمد اظہار اشرف اشرفی جیلانی
سجادہ نشین آستانہ اشرفیہ حسنیہ سرکار کلاں
کچھوچھہ شریف

☆☆☆

تقریظ

ناصح قوم وملت پیر طریقت حضرت الشاہ سید

میر محمد طاہر میاں صاحب قبلہ

سجادہ نشین خانقاہ بلگرام شریف۔ یوپی

بڑی مسرت کی بات ہے کہ محبّ گرامی حضرت مولانا مفتی محمد ساجد حسنی قادری نے حضور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حالات زندگی قلمبند کرنے کی سعادت حاصل کی، یہ واقعی قابل مبارک باد ہیں،فخر کی بات یہ ہے کہ انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کی جو مجھے دستیاب ہوئیں، عزیزم مؤلف سادات کرام کے سچے عاشق بھی ہیں اور خانوادۂ اشرفیہ کے کئی بزرگوں سے انھیں خلافت واجازت بھی ہے۔

میں موصوف کی خدمات کے لیے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول بارگاہ بنائے۔آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

فقیر سید محمد طاہر قادری
سجادہ نشین خانقاہ بلگرام شریف

☆☆☆

تقریظ

بحر العلوم حضرت علامہ
مفتی عبدالمنان اعظمی صاحب قبلہ
شعبۂ دارالافتاء جامعہ شمس العلوم، گھوسی ۔ مئو

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسوله الکریم

اما بعد

عزیزم گرامی قدر حضرت مولانا مفتی ساجد حسنی قادری نے ایک تذکرہ حضرت مجدد الف ثانی سرہندی علیہ الرحمہ اور مجدد امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کے حالات میں تحریر فرمایا ہے، یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ دونوں بزرگوں کا تذکرہ جو شہنشاہ اکبر کے پھیلائے ہوئے مذہب دین الٰہی کے خلاف شیخ احمد سرہندی کے عظیم کارنامہ کے بیان میں اور مولوی اسماعیل دہلوی کے بیدار کیے ہوئے فتنۂ وہابیت کے خلاف مجدد بریلوی کی سعیٔ مشکور کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا کی خدمت کو قبول فرمائے اور ہند میں ان کے امثال پیدا فرمائے ۔ (آمین)

عبدالمنان اعظمی
شمس العلوم گھوسی، مئو
۲۲/ جمادی الآخری ۱۴۳۳ھ

تقریظ

حضرت علامہ مولانا فیضان المصطفیٰ قادری

استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی۔ مئو

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

''مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا'' دور حاضر کے تقاضوں میں سے ایک تقاضا ہے، یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کی اہمیت کے پیش نظر حیرت ہوتی ہے کہ اب تک اس پر کام کیوں نہ ہوا، شاید اس وجہ سے کہ یہ موضوع حضرت مولانا مفتی ساجد حسنی قادری صاحب کے لیے مقدر تھا، چنانچہ انھوں نے جدو جہد اور تلاش و جستجو کر کے اس موضوع سے متعلق ضروری مواد اکٹھا کیا اور بڑے ڈھنگ اور سلیقے سے انھیں ترتیب دیئے، مصوف نے اپنی قلمی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے بڑے دلآویز ذیلی عناوین قائم کیے کہ ہر طبقے سے تعلق رکھنے والا قاری بڑی آسانی سے اس کتاب کی ورق گردانی کر کے اپنے ذوق کی تسکین کا سامان کر سکتا ہے، میں نے تقریباً نصف کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور مختلف مقامات سے بھی کچھ کچھ دیکھنے کی کوشش کی، حضرت امام مجدد الف ثانی کے تعلق سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوا، کچھ باتیں تحقیق طلب تھیں، وہ مؤلف موصوف سے ذکر کر دی، اس میں شک نہیں کہ موضوع کی اہمیت مصنف کی کاوش و محنت اور جودت طبیعت سے ایک ایسا گلدستہ تیار ہوا ہے جس کی رعنائیاں ہر کس و ناکس کو دعوت نظارہ دیں گی، اور باذوق حضرات تو بہت کچھ حاصل بھی کر سکیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مقبول عام فرمائے اور مصنف کو دارین میں اجر عطا فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین

فیضان المصطفیٰ قادری

تقریظ

حضرت علامہ مفتی محمد عاقل رضوی
صدر المدرسین وصدر شعبۂ دارالافتاء
جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی قوم کے عروج و اِرتقاء کا مدار صالح کردار عظیم المرتبت شخصیتوں کے حسن عمل عمدہ کردار کی اِتباع میں مظمر ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ کامیاب لوگ علماء مشائخ کی تابناک زندگی کے روشن نقوش کو ہی نمونہء عمل بناتے ہیں لیکن عصر حاضر کا المیہ یہ ہے کہ ہماری نئ نسل اپنے بزرگوں کے زندگی کے احوال سے نا آشنا نظر آتی ہے۔

لہٰذا ضرورت اِس امر کی ہے کہ نئ نسل کے سامنے مہذب دل نشیں پیرائے میں اپنے اسلاف کے مبارک کارنامے پیش کئے جائیں تاکہ بزرگوں کی سیرت بھی محفوظ ہوں نئ نسل ان کی مبارک زندگی کے احوال کو اپنے لئے انمول سرمایہ سمجھیں اوران کی حیات کے مختلف گوشوں سے مستفید ہوں۔

قابل مبارکباد ہیں رفیع القدر محبّ گرامی حضرت مولانا مفتی محمد ساجد حسنی قادری نوری جنھوں نے ماضی قریب اور ماضی بعید کی عظیم المرتبت شخصیات اوراپنے عہد کے عظیم مجددوں کی نقوش حیات کو مختلف کتابوں سے یکجا کر کے دونوں کی مبارک سیرت کے انمول جواہر کو یکجا کر دیا ہے یعنی مجدد الف ثانی حضرت مولانا

سید شیخ احمد سرہندی اور شیخ الاسلام والمسلمین مجدد اعظم مولانا الشاہ امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان بلکہ موخرالذکر شخصیت کا اسم گرامی اہل سنت کی علامت اور مسلک اعلیٰ حضرت سنیت کا شعار بن چکا ہے۔

میں عدیم الفرضی کی وجہ سے اس عظیم کتاب کا بالاستعاب مطالعہ نہ کر سکا، البتہ جتنا پڑھا اس سے اندازہ ہوا کہ یہ کتاب اہلسنت کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہے اور بلاشبہ موصوف اس مبارک اقدام پر ڈھیر ساری مبارکبادیوں کے مستحق ہیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ مولی تعالیٰ مولانا موصوف کو مزید ذوق تحریر عطا فرمائے اور ان کی اس کاوش کو قبول فرما کر مفید خاص وعام بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بندۂ اثیم
محمد عاقل رضوی
صدر المدرسین جامعہ رضویہ منظر اسلام
محلّہ سوداگران بریلی شریف
۱۹؍ ذالحجہ ۱۴۳۳ھ بروز بدھ

تقریظ

پیرطریقت نواسۂ حضور مفتی اعظم ہند جمال ملت

حضرت علامہ جمال رضا خاں قادری

بریلی شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

ہماری جماعت اہلسنت کے نوجوان اور متحرک قلمکاروں میں مولانا مفتی محمد ساجد حسنی قادری نوری صاحب پورن پور ن پیلی بھیتی کی تحریر کردہ کتاب امام دین مجدد الف ثانی وامام احمد رضا کا نسخہ فقیر کی نظر سے گزرا، میں نے پایا کہ موصوف نے اپنے موضوع کے ساتھ بھرپور محنت کے ساتھ اور اپنے بھرپور مطالعہ کے ذریعہ اکابرین اہلسنت اور صاحبِ دل صاحبِ نظر علمِ ظاہری اور باطنی رکھنے والے علمائے کرام واولیائے کرام کے حوالے سے اور ان کی تصنیفات کے حوالے سے زبردست مواد ایک جگہ جمع کر کے عشاقانِ امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی اور شیخ الاسلام والمسلمین الشاہ امام احمد رضا قادری محدث بریلوی رضی اللہ تعالی عنہما کے لئے تشنگی کو دور کرنے کا سامان پیدا کر دیا۔

خداوندقدوس اِن کے قلم کو حق لکھنے کی توفیق عطا فرمائے بے جاہ اعتراضات اور بے جاہ اختلافات پر لکھ کر اپنا وقت ضائع کرنے سے بچائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین

محمد جمال رضا خاں قادری رضوی

بریلی شریف

تقریظ

حضرت علامہ مفتی شہاب الدین اشرفی جامعی
شیخ الحدیث وصدر مفتی شعبۂ دارالافتاء
جامع اشرف کچھوچھہ شریف

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسول الکریم. اما بعد!

جب انسان جذبات کے تلاطم و ہیجان میں کسی دشوار گذار اور مشکل ترین امر کو انجام دینے کا عزم محکم کرلیتا ہے تو وہ منزل کی تمام پرخار وادیوں سے آسانی کے ساتھ گذر جاتا ہے، راہ کی صعوبت ومشقت سے بھری ہولناک گھاٹیاں اس کا راستہ نہیں روک پاتی ہیں، وہ اپنی بے مضاعتی اور بے سروسامانی کے باوجود اپنے مقصود تک پہنچ جاتا ہے، چشم فلک نے اس قسم کے بے شمار واقعات دیکھے ہیں، پہاڑ کھود کر نہر جاری کرنا شیشۂ فریاد کا کمال نہیں ہے بلکہ فریاد کے یقین محکم وعمل پیہم کا ثمرہ ہے، ورنہ فریاد جیسے ناتواں انسان اور شیشہ جیسے بے قدر آلہ کی کیا حقیقت تھی کہ پہاڑ کے سینے میں شگاف ڈال کر اس سے نہر جاری کر سکے، اگر چشم حقیقت سے دیکھا جائے تو یہ بات واضح ہوگی کہ پہاڑ کے سینہ سے نہر کا جاری کرنا اتنا دشوار نہیں ہے جتنا زیر نظر کتاب کا منظر شہود پر آنا ہے۔

مولانا مفتی ساجد حسنی کو زیر نظر کتاب کی ترتیب وتالیف میں جن صعوبتوں

اور مشقتوں سے گذرنا پڑا ہے اس کا اندازہ ہر اس مصنف ومؤلف کو ہوگا جس کو اپنی فراغت کے سال ہی کسی جامع اور وقیع کتاب کی تالیف کے مراحل سے گذرنا پڑا ہے، انھوں نے شکستہ پائی کے باوجود منزل مقصود تک پہنچ کر دم لیا، وہ تھک کر راستے میں نہیں بیٹھے اور نہ ہی راستہ کے خار سوزاں نے ان کے ہمت کی کمر توڑی۔

زیر نظر کتاب اہل سنت و جماعت کی دو عظیم المرتبت شخصیت کی حیات و خدمات پر مشتمل ہے، ان دو عبقری شخصیت کو متعارف کرانے کے لیے جس اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے وہ مؤثر و دلنشین ہے، الفاظ کی جاذبیت، جملے کی معنویت، بیان کی چاشنی، واقعات کی طرز نگاری کو برقرار رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے، کہیں کہیں جملے غیر مربوط اور الفاظ کا استعمال غیر مانوس ہے جو اکثر نو آموز قلمکار کے مضمون میں پایا جاتا ہے، بہرکیف یہ کتاب معلومات افزا ہونے کے ساتھ قارئین کے ادبی ذوق کو سکون و تشفی بخشنے والی ہے، مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا مفتی ساجد حسنی کی اس خدمت کو قبول فرمائے،، ان کو مزید خدمت دین و تصنیف و تالیف کا موقع عنایت فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

محمد شہاب الدین اشرفی

شیخ الحدیث وصدر شعبۂ افتاء جامع اشرف

درگاہ کچھوچھہ شریف امبیڈکر نگر یوپی

۱۹؍رجب المرجب ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲؍جون ۲۰۱۱ء

تقریظ

حضرت علامہ ڈاکٹر محمد قمرالدین اشرفی
استاد جامع اشرف کچھوچھہ شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیرنظر کتاب ''حضور مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا'' مولانا مفتی محمد ساجد حسنی حفظہ اللہ کی تالیف ہے، جس میں انھوں نے حضرت مجدد الف ثانی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان کی سیرت وافکار کونہایت سہل انداز میں پیش کیا ہے، یہ یقیناً موصوف کا ایک گرانقدر علمی کارنامہ ہے۔

مولیٰ تعالیٰ ان کے اس علمی خدمات کوقبول فرمائے اوران کے علم میں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

احقر محمد قمرالدین اشرفی
استاذ جامع اشرف درگاہ کچھوچھہ شریف
۱۹/رجب ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۲/جون ۲۰۱۱ء بروز چہار شنبہ

تقریظ

حضرت علامہ ومولانا محمد قمر عالم اشرفی جامعی
استاد جامع اشرف درگاہ کچھوچھہ شریف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ (۹۷۱ھ۔۱۰۳۴ھ) اور امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ (۱۲۷۲ھ۔۱۳۴۰ھ) کا شمار ان اصحاب دعوت و عزیمت اور اہل تجدید و اصلاح ملت میں ہوتا ہے کہ اسلامی دنیا پر جن کے گہرے اثرات رہے ہیں اور جن کے عظیم احسانات کا قرض صبح قیامت تک نہیں اتارا جا سکتا، جنھوں نے اپنی اصلاحی کوششوں اور اپنے تجدیدی کارناموں کے ذریعے امت مسلمہ کی ڈوبتی ہوئی نیا کو پار لگایا، جن کے صبر و استقلال اور عزم و حوصلے نے باطل پردازوں اور فتنہ گروں کے سارے خواب چکنا چور کر دیے، جنھوں نے اپنی شبانہ روز کاوشوں اور اپنی عظیم قربانیوں سے مخالفین اسلام پر یہ آشکارا کر دیا کہ ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اسلام کی ان دونوں عظیم شخصیات کے مختلف گوشوں پر مشتمل زیر نظر کتاب عزیز القدر (مفتی) محمد ساجد حسنی سلمہ (پیلی بھیت) کا وہ تحقیقی مطالعہ ہے جسے انھوں نے اہل سنت کی عظیم دینی درسگاہ جامع اشرف درگاہ کچھوچھہ مقدسہ میں

تخصص فی الفقہ کی ڈگری حاصل کرتے ہوئے لکھا تھا، جسے وہ کتابی شکل میں منظر عام پر لانے کی سعادت حاصل کرر ہے ہیں۔

عزیز موصوف نے اپنے اس مقالے میں تحقیق وجستجو کا حق کہاں تک نبھایاہے، اس کا فیصلہ اہل دانش وبینش کے حوالے ہے تاہم موصوف کے ذوق تحقیق اور شوق مطالعہ کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ عزیز گرامی نے اس سلسلے کو اگر اسی طرح برقرار رکھا تو وہ دن دور نہیں کہ اچھے قلمکاروں میں ایک نام ان کا بھی ہوگا۔

مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کتاب و صاحب کتاب دونوں کو بہترین مقبولیت سے نوازے (آمین)

محمد قمر عالم اشرفی جامعی

استاذ جامع اشرف

۲۰/۷/۱۴۳۲ھ/۲۲/۶/۲۰۱۱ء

تقریظ

عظیم ملت حضرت مولانا عبدالعظیم عابر اشرفی قالین آبادی

انچارج مختار اشرف لائبریری کچھوچھہ شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسول الکریم. اما بعد!

فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیمo بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

فاولٰئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین

تمام تعریف اس خلاق دو عالم کے لیے ہے جس نے رشد و ہدایت کے لیے ہر دور میں انبیا و صالحین کو بندوں کے درمیان بھیجا اور درود و سلام نازل ہو اس رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر جنھوں نے ظلمت کدہ کو منور و تاباں فرمایا۔

زیر نظر کتاب ’’حضور مجدد الف ثانی اور امام احمد رضا‘‘ کو عدیم الفرصتی کی بنا پر چیدہ چیدہ جگہوں سے مطالعہ کرنے کا موقع فراہم ہوا، ماشاء اللہ عزیز القدر مولانا مفتی محمد ساجد حسنی قادری اشرفی جامعی پیلی بھیتی نے بہترین کوشش کی ہے یوں تو امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہما کی حیات و خدمات پر سیکڑوں کتابیں لائبریریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں جہاں سے عشاق فیضیاب ہو رہے ہیں، لیکن مولانا موصوف نے اس کتاب میں ایک عمدہ انداز میں جہاں حضرات مجددین کا

تذکرہ کیا ہے وہیں پر ایک اپنی منفرد فکر بھی پیش کی ہے، اس سے قبل مولانا موصوف کی کتاب ''تذکرۂ علم اور علماء'' طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آ چکی ہے جس کو اہل علم نے خوب سراہا ہے۔

مولانا موصوف نے طالب علمی ہی کے دور سے خامہ وقرطاس سے ذوق رکھا ہے، بڑے محرک و فعال رہے مختار اشرف لائبریری درگاہ کچھوچھہ شریف سے دل کھول کر استفادہ کیا، مولانا موصوف کو خانوادہ اشرفیہ سے گہرا لگاؤ ہے، باویں وجہ سلسلۂ اشرفیہ کی اجازت وخلافت سے بھی نواز دیا گیا ہے۔

الحمد للہ مولانا موصوف نے اپنے شہر ''پورنپور''، ضلع پیلی بھیت میں جو علمی ماحول بنایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، ان کی علمی صلاحیتوں سے متأثر ہوکر ان کے خانوادے کے اکابر نے انھیں جامعہ خدیجہ للبنات پورنپور کا ناظم اعلیٰ منتخب فرمادیا، علاقے کے شہر مفتی ودارالافتاء کی ذمہ داری بھی مولانا موصوف ہی کے سر ہے۔

زیر نظر کتاب تو شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی جانشین محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی خدمت میں برائے تاثر پیش کیا گیا تو حضرت نے مصروفیات کی بنا پر سرورق ہی دیکھ کر دعاؤں سے نوازا۔

رب الارباب کی بارگاہ میں صمیم قلب سے دعا ہے مولیٰ تعالیٰ مولانا موصوف کو دین و دنیا کی سعادتوں سے باریاب فرمائے اور ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین

فقیر عبد العظیم عابر اشرفی نوری سراجی
سجادہ نشین خانقاہ نوریہ
قالین آباد (مادھوسنگھ) اورائی بھدوہی۔ یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قطب المجد دین، غیاث الکاملین، غیاث العارفین، امام ربانی حضور سیدنا مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ) اور حضرت امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا محدث بریلوی سنی قادری (المتوفی ۲۵ رصفر المظفر ۱۳۴۰ھ) برصغیر جنوبی ایشیاء کی وہ دو عظیم شخصیتیں ہیں جن کے علمی، دینی اور روحانی کارنامے آج عالم اسلام کے کروڑوں مسلمانوں کو صراط مستقیم پر گامزن رکھے ہوئے ہیں، ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے دور میں اسلام دشمن قوتوں سے اپنے قلم سے جہاد فرمایا ہے اور اسلام کی گرتی ہوئی شاخ کو سنبھالا ہے، ان دونوں مفکرین نے اپنے اپنے دور حیات میں ایسے عظیم الشان تجدیدی کارنامے انجام دیئے ہیں جن کے باعث اپنے ناموں سے زیادہ اپنے منصب سے پہچانے جاتے ہیں، شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ نے گیارہویں صدی ہجری میں احیائے دین کا فریضہ انجام دیا، جس کے باعث آپ ''مجدد الف ثانی'' کے منصب پر فائز ہوئے اور اسی منصب سے مشہور ہوئے جب کہ چودہویں صدی ہجری میں امام احمد رضا قادری برکاتی نے انگریزوں، ہندوؤں، اور نام نہاد مسلمانوں اور نو پید فرقوں کی سازشوں سے مجتہدانہ انداز میں ہر محاذ پر قلمی جہاد فرما کر پاک و ہند کے مسلمانوں کو بے دین ہونے سے محفوظ رکھا، جس کے باعث سیکڑوں عرب وعجم کے علما و مشائخ نے آپ کو مجدد مأتہ حاضرہ کے لقب سے نوازا ہے، سلاسل طریقت، تقسیم و تفریق کے لیے نہیں بلکہ یہ تو جمع اور ضرب کے لیے ہیں، ان کا مقصد جمع کرنا ملانا جوڑنا اور بڑھانا ہے گھٹانا نہیں، حکم تو یہ ہے کہ ''اللہ کے

بندے بھائی بھائی بن جاؤ'' اس حکم کے مخاطب اہل طریقت ہی ہیں جن کا کام جوڑنا ہے، توڑنا نہیں، توڑنے والے توڑتے ہیں یہ ہمیشہ جوڑتے ہیں اور ملاتے رہتے ہیں، یہی تقاضائے محبت ہے اور یہی محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اس لیے میں نے اپنے آقا ومولیٰ قائد ملت حضرت علامہ الشاہ سید محمود اشرف اشرفی جیلانی سجادہ نشین خانقاہِ اشرفیہ سرکار کلاں کچھوچھہ شریف اور استاذ المکرّم حضرت علامہ مفتی شہاب الدین اشرفی صاحب قبلہ صدر مفتی جامع اشرف و برادر کبیر استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد میاں قادری حسنی پورنپور، پیلی بھیت سے اجازت حاصل کی کہ ان دو عظیم ہستیوں کے متعلق چند سطور لکھنے کی سعادت حاصل کروں اور ان کے مختصر حالات وافکار کا ذکر کیا جائے، پہلے حصہ میں حضور مجدد الف ثانی اور دوسرے حصہ میں حضرت امام احمد رضا کا ذکر ہے، اللہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اس کو قبول ومقبول فرمائے۔ (آمین)

خادم العلم والعلماء
حقیر محمد ساجد حسنی قادری جامعی
جامعہ خدیجہ للبنات وشعبۂ دارالافتاء
اشرف نگر پورنپور، پیلی بھیت۔ الہند
9634316786/9457091785

شرف انتساب

یہ حقیر نذرانہ مشائخ عظام، اساتذۂ کرام، جد امجد و دادی جان و نانا جان خصوصاً تارک السلطنت قدوۃ الکبری محبوب یزدانی غوث العالم حضور مخدوم سلطان سید اوحدالدین اشرف جہانگیر سمنانی و سامانی علیہ الرحمۃ والرضوان، و حامل اسرار الٰہی واقف رموز معارف قطب پیلی بھیت حضور حاجی شاہجی محمد شیر میاں علیہ الرحمۃ والرضوان، و امام اہلسنت عاشق رسول امام احمد رضا خان محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و مبلغ سلسلۂ نقشبندیہ حضور خواجہ امام شاہ میاں علیہ الرحمۃ والرضوان سرورہ شریف قصبہ جہاں آباد پیلی بھیت، و صدرالشریعہ علامہ مفتی امجد علی علیہ الرحمہ، و آل رسول مارہرہ مقدسہ، و حضور حافظ ملت، خلیفہ اعلیٰ حضرت محدث سورتی علامہ وصی احمد پیلی بھیت، و شیخ اعظم شہزادۂ سرکار کلاں حضرت علامہ مفتی سید اظہار اشرف اشرفی و جیلانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی خدمت میں پیش ہے۔

ان پاکباز نفوس قدسیہ کی پرورش پرداخت، نشو ونما فیوض و برکات ودعائے سحرگاہی کا نتیجہ ہے کہ مجھ جیسے کم علم سے ایسی خدمت لی۔

پروردگار عالم ان پاکباز ہستیوں کے فیوض و برکات کو تاابد جاری وساری رکھے۔

گر قبول افتد زہے عزوشرف

حقیر محمد ساجد حسنی قادری اشرفی

تربیت شعبۂ دارالافتاء جامع اشرف کچھوچھہ مقدسہ

۲۴؍رجب المرجب ۱۴۳۱ھ/ ۷؍جولائی ۲۰۱۰ء بروز بدھ

نذرانۂ عقیدت

از:۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبال

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ سرور و انوار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار
کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں میری بینا ہیں و مسکیں نہیں بیدار
آئی یہ صدا سلسلۂ فقر ہوا بند
ہیں اہل نظر کشور پنجاب سے ہزار
عارف کا ٹھکانہ نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کلۂ فقر سے ہو طرہ دستار
باقی کلۂ فقر سے تھا ولولۂ حق
طروں نے چڑھایا نشۂ خدمات سرکار

☆☆☆

امام ربانی مجدد الف ثانی

ابتدائی حالات:

قطب المجد دین، غوث الکاملین، غیاث العارفین، امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہ ۹۷۱ھ کو (بتاریخ ۱۴؍شوال) دارالعرفان سرہند شریف میں پیدا ہوئے۔[۱]

آپ کا شجرہ نسب ۳۱ واسطوں سے خلیفۂ ثانی مراد رسول حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتا ہے۔[۲]

آپ کے والد ماجد مخدوم الاولیاء حضرت شیخ عبدالاحد بلند پایہ عالم دین اور عظیم المرتبت صوفی تھے، حضرت الشیخ رکن الدین علیہ الرحمہ (متوفی ۹۸۳ھ) سے سلسلہ عالیہ قادریہ و چشتیہ میں خلافت حاصل کی۔[۳]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے بیشتر علوم اپنے والد گرامی سے حاصل کیے، ان کے علاوہ حضرت مولانا کمال کشمیری، حضرت مولانا یعقوب کشمیری اور قاضی بہلول بدخشی علیہم الرحمہ سے بھی علم حاصل کیا۔[۴] ۹۹۸ھ میں آگرہ کا سفر اختیار کیا، وہاں درباری علما شیخ ابوالفضل و شیخ ابوالفیض فیضی سے تعلقات قائم ہوئے، یہ دونوں بھائی آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔

۱۰۰۸ھ میں زیارت حرمین کے لیے جارہے تھے کہ راستے میں دہلی رکے، وہاں حضرت خواجہ خواجگاں باقی باللہ علیہ الرحمہ سے ملاقات ہوئی، حضرت خواجہ علیہ

---

[۱] زبدۃ المقامات صفحہ ۱۹۔ [۲] مقامات خیر صفحہ ۳۳۔ [۳] زبدۃ المقامات صفحہ ۱۴۳

[۴] جواہر مجددیہ صفحہ ۲۳۔

الرحمہ نے آپ کو اپنے پاس روک لیا، چنانچہ آپ نے تین ماہ وہاں رہ کر وہ کچھ حاصل کیا جسے اور لوگ برسوں کے بعد بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے، حضرت خواجہ علیہ الرحمہ آپ کو اپنی مراد سمجھتے تھے فرماتے تھے۔

جب فقیر کے شیخ طریقت خواجہ ملکیگی علیہ الرحمہ نے فقیر کو ہندوستان جانے کا حکم دیا تو خود کو اس سفر کے لائق نہ دیکھتے ہوئے فقیر نے کچھ پس و پیش کیا، خواجہ موصوف سے استخارے کے لیے فرمایا، استخارہ کیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک شاخ پہ طوطا بیٹھا ہے، دل میں خیال آیا، اگر یہ طوطا شاخ سے اڑ کر ہاتھ پے آ بیٹھے تو اس سفر میں کچھ سہولت ہو جائے، معاً طوطا اڑ کر فقیر کے ہاتھ پر آ بیٹھا، فقیر نے اپنا لعاب دہن اس کے منھ میں ڈالا اور اس نے فقیر کے منھ میں شکر ڈالی، اس خواب کی تعبیر خواجہ موصوف نے یہ فرمائی کہ طوطا ہندوستانی جانور ہے، ہندوستان میں تمہارے دامن سے ایک ایسا عزیز وابستہ ہوگا جس سے عالم منور ہوگا اور تم بھی اس سے مستفیض ہو گے۔ (زبدۃ المقامات)

حضرت خواجہ کی تعلیم و تربیت کے فیضان نے آپ کو ملت اسلامیہ کا پاسبان بنا دیا، آپ نے اپنی جرأت و استقامت سے اکبری و جہانگیری طوفانوں کے رخ موڑ دیے اور کفرستان ہند میں اسلام کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا، اس بات پر مؤرخین کرام کا اجماع ہے کہ آپ کی ذات مقدسہ سرزمین ہند میں جلوہ افروز نہ ہوتی تو دین الٰہی کی تاریکی اسلام کے اجالوں کو چاٹ جاتی۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے کیا خوب لکھا ہے:

''آج جو مساجد میں اذانیں دی جارہی ہیں، مدارس سے قال اللہ تعالیٰ و قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دلنواز صدائیں بلند ہو رہی ہیں اور خانقاہوں میں جو ذکر وفکر ہو رہا ہے، اور قلب و روح کی گہرائیوں سے جو اللہ کو یاد کیا جاتا ہے یا لاالہ الا اللہ کی ضربیں لگائی جاتی ہیں ان سب کی گردنوں پر حضرت مجدد کا بار منت

ہے، اگر حضرت مجدد اس الحاد و ارتداد کے اکبری دور میں اس کے خلاف جہاد نہ فرماتے اور وہ عظیم تجدیدی کارنامہ انجام نہ دیتے تو نہ مساجد میں اذانیں ہوتیں، نہ مدارس دینیہ میں قرآن و حدیث، فقہ اور باقی علوم کا درس ہوتا اور نہ خانقاہوں میں مسالکین وذاکرین اللہ اللہ کے روح افزاذکر سے زمزمہ سنج ہوتے الا ماشاء اللہ"۔[1]

آپ قیومیت کے منصب پر فائز ہوئے، قطب الارشاد اور مجدد الف ثانی کے مقام پر پہنچے، ہندوستان اور دیگر بلاد اسلامیہ میں آپ کا فیض ابر رحمت کی طرح برسا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری و باطنی خوبیوں سے مزین فرمایا تھا۔

لیس علی الله بمستنکر　　ان یجمع العالم فی واحد

ذیل کے سطور میں ہم آپ کے مختلف اوصاف و خصائل کا ذکر کرتے ہیں جنہیں پڑھ کر دل کے نہاں خانے سے یہ آواز نکلے گی۔

بے مثال کی ہے مثال وہ حسن　　خوبی یار کا جواب کہاں

☆☆☆

علم وفضل:

حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم وفضل میں اپنی مثال آپ تھے حافظ قرآن تھے، اسرار قرآنی پہ زبردست عبور حاصل تھا، حروف مقطعات سے واقف تھے متشابہات سے مالا مال تھے۔[2]

علم حدیث میں بہت بلند مقام حاصل تھا خود فرماتے ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مجھے طبقہ محدثین میں شامل کرلیا گیا ہو۔ [3]

مسائل فقہ پورے طور پر متحضر تھے اور اصول فقہ میں بھی بہت زیادہ مہارت رکھتے تھے (زبدۃ المقامات) علم کلام میں مجتہد تھے فرماتے ہیں کہ مجھے توسط

---

[1] سیرت مجدد الف ثانی تقدیم صفحہ ۱۰۔ [2] حضرات القدس صفحہ ۶۸۔ [3] زبدۃ المقامات صفحہ ۱۳۰۔

حال ایک رات جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم علم کلام کے ایک مجتہد ہو، اس وقت سے مسائل کلامیہ میں میری رائے خاص اور میرا علم مخصوص ہے۔[۱]

آپ نے شاہق الجبل جیسے مسائل اپنے بصیرت افروز اجتہاد سے حل فرمائے، اور بھی اجتہادات کلامیہ، مکتوبات شریفہ کے صفحات میں بکھرے پڑے ہیں، آپ کے خلیفہ حضرت علامہ ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نے ارادہ بھی کیا کہ آپ کے اجتہادات کو اکٹھا کیا جائے۔ [۲]

آپ کو آسمانوں کا علم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عطا فرمایا، حضرت خضر علیہ السلام نے علم لدنی سے نوازا (ایضاً) آپ کو علم سے خصوصی لگاؤ تھا، طلب علم کو صوفیانہ مجاہدات پر ترجیح دیتے تھے، مولانا بدرالدین سے فرمایا کرتے سبق لاؤ اور پڑھو، جاہل صوفی تو شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔[۳]

آپ نے حد علم کی تلاش میں دور دراز کا سفر اختیار کیا، آگرہ میں فیضی و ابوالفضل جیسے علما آپ کے علم وفضل کا لوہا مانتے تھے۔

علامہ ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نے ایک واقعہ لکھا ہے:

ایک دن حضرت مجدد ابوالفضل کے گھر آئے، وہ غیر منقوطہ تفسیر لکھنے میں مصروف تھا، جب اس نے آپ کو دیکھا تو خوشی سے جھوم اٹھا، اور کہا آپ خود تشریف لائے، تفسیر میں ایک مقام آیا کہ اس کی تفسیر و تاویل غیر منقوط الفاظ کے ذریعے مشکل ہوگئی، میں نے دماغ سوزی کی لیکن دل پسند عبارت نہیں ہوئی، حضرت مجدد نے گو کہ نقطہ عبارت کی مشق نہیں کی تھی لیکن کمال بلاغت کے مطالب کثیرہ پر مشتمل ایک صفحہ لکھوا دیا جس سے وہ حیرت میں پڑ گیا۔[۴]

---

[۱] مبدا ومعاد شریف۔ [۲] زبدۃ المقامات صفحہ ۳۵۵۔ [۳] حضرات القدس صفحہ ۹۷۔
[۴] زبدۃ المقامات صفحہ ۱۶۴۔

ایک فاضل مکرم نے حضرت مجدد کے کلمات طیبہ کے متعلق اہل زمانہ کے قیل وقال کو سنا تو کہا حقیقت ہے کہ اس زمانہ کے لوگوں کا مزاج اوران کی فطرت ان بزرگوار کے حقائق و دقائق کو سمجھنے کے لائق نہیں ہے ان عزیز کو چاہیے تھا کہ اگلے زمانہ میں ہوتے کہ لوگ ان کے کلام کی قدر جانتے اور متاخرین ان کے کلام کو کتاب میں بطور استشہاد کے بیان کرتے۔[۱]

فکر وعرفان:

علامہ اقبال نے جو آپ کو ''عرفان کا مجتہد اعظم'' قرار دیا ہے، آپ کے رشحات قلم کا مطالعہ کرنے سے اس کی تصدیق ہوجاتی ہے، آپ نے تصوف کے میدان میں ایسے فکر وعرفان کا اظہار کیا، جس کی مثال پہلے نہیں ملتی فکر وعرفان کی ان جولانیوں کے بارے میں خود لکھتے ہیں۔

حق جل سلطانہ کے انعامات کے متعلق کیا لکھا جائے اور کس طرح شکر ادا کیا جائے جن علوم و معارف کا فیضان خداوند جل شانہ کی توفیق سے ہوتا ہے ان میں سے اکثر قید تحریر میں اور اہل نا اہل کے کانوں تک پہنچتے ہیں، لیکن جو اسرار و دقائق کے ممتاز ہیں، ان کا ایک شمہ بھی ظاہر نہیں کیا جاسکتا بلکہ رمز و اشارہ کے ذریعہ بھی ان کے متعلق بات نہیں ہوسکتی بلکہ اپنے عزیز ترین فرزند کے سامنے بھی ان اسرار کی باریکیوں کا ذکر نہیں کرتا، معانی کی باریکیاں زبان کو پکڑتی ہیں اور اسرار کی لطافت لب کو بند کرتی ہے۔[۲]

یہ حقیقت ہے کہ آپ نے مقام وجود وشہود کے متعلق جو معارف بیان فرمائے ہیں، آپ کا ہی حصہ ہیں۔

علامہ بدرالدین سرہندی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

---

[۱] زبدۃ المقامات صفحہ ۲۹۶۔ [۲] (زبدۃ المقامات صفحہ ۳۳)

تعین وجودی کہ جس کے متعلق آج تک کسی عارف نے لب کشائی نہیں کی تھی آپ پر ظاہر کیا گیا اور اس عالی مقام کے اسرار وبرکات سے آپ کو ممتاز فرمایا گیا جیسے (دفتر سوم) کے مکتوب ۸۹ میں تفصیل آئی ہے۔ ۱
اسی طرح عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق فرماتے ہیں یہ فقیر کیا کہے اور اگر کہے تو کون سمجھ سکے اور کیا حاصل کر سکے، نہ معارف احاطہ ولایت سے خارج ہیں اور علمائے ظاہر کی طرح ارباب ولایت بھی ان کو سمجھنے سے قاصر وعاجز ہیں۔ یہ علوم انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے ماخوذ ہیں کہ دوسرے ہزار سال والی تجدید سے محض تبعیت اور وراثت کی وجہ سے تازہ ہوتے ہیں (مکتوبات ۲؍۴؍ر) ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

دین اسلام کا دارو مدار محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے یہ جذبہ نہیں تو بقول اقبال ؎ سب کچھ ''بتکدہ تصورات'' میں ڈھل جاتا ہے حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کیجئے ہر پہلو اس جذبے سے سرشار دکھائی دے گا، فرماتے ہیں:

ایک وقت درویشوں کی جماعت بیٹھی تھی اس فقیر نے اپنی محبت کی بنا پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں سے ہے، ان سے اس طرح کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس پر مسلط ہوئی کہ حق سبحانہ کو اس واسطے سے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے، حاضرین اس بات سے حیرت میں پڑ گئے لیکن وہ مخالفت کی مجال نہ رکھتے تھے کہ بات حضرت رابعہ بصری علیہا الرحمہ کی اس بات کے خلاف ہے جو انھوں نے آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں کہی تھی کہ حق سبحانہ کی محبت اس طور پر مسلط ہوگئی ہے کہ آپ کی محبت کے لیے جگہ باقی

۱ حضرات القدس جلد دوم ص ۸۲۔

نہیں رہی، یہ دونوں باتیں اگرچہ سکر کی خبر دیتی ہیں لیکن میری بات اصلیت رکھتی ہے انھوں نے عین سکر میں یہ بات کہی اور میں نے ابتدائے صحو میں، ان کی بات مرتبہ صفات میں ہے اور میری بات مرتبۂ ذات سے رجوع کے بعد کی ہے۔ [۱]

آپ کثرت سے درود پاک پڑھا کرتے خصوصاً جمعہ کی شب اور جمعہ کے دن دوشنبہ کی شب اور دوشنبہ کے دن آخری زمانے میں جمعہ کی راتوں میں احباب کو جمع کر کے ہزار بار درود بھیجتے تھے۔[۲]

یہ امر بھی اس کی گواہی دیتا ہے کہ آپ سراپا محبت رسول میں غرق تھے، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے ''من احب شیئا اکثر ذکرہ'' جو کسی شئ سے محبت کرتا ہے اس کا کثرت سے ذکر کرتا ہے، اذان میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آتا تو محبت سے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پہ لگاتے۔[۳]

اتباع شریعت

محبت رسول کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت مطہرہ، سنت طیبہ اور اسوہ حسنہ پر عمل کیا جائے، حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اس وصف میں درجہ کمال پہ فائز تھے، آپ کے مکتوبات ورسائل کا بنیادی موضوع ہی اتباع شریعت ہے، فرماتے ہیں ہم اپنی خوش نصیبی سمجھتے ہیں کہ کسی امر میں آں سرور صلی اللہ علیہ وسلم سے تشبہ اختیار کریں اگرچہ تشبہ صورت ہی کے اعتبار سے ہو لوگ بعض سنتوں میں بیداری اور اس طرح کی نیت کو دخل دیتے ہیں ان کی کوتاہ اندیشی پر تعجب ہوتا ہے کہ ان کی ہزاروں شب بیداریوں کو آدھی متابعت کے عوض ہم نہیں خریدتے رمضان کے آخری عشرہ میں ہم اعتکاف کے

---

[۱] مبدا معاد منہا ۳۷۔ [۲] زبدۃ المقامات ص ۲۸۶۔ [۳] جواہر مجددیہ۔

لیے بیٹھے، دوستوں کو جمع کیا اور کہا کہ متابعت کے علاوہ اور کوئی نیت نہ کرو کیونکہ ہمارا تبتل اور انقطاع کیا ہوگا، ایک متابعت کے حصول کے عوض ہمیں سیکڑوں گرفتاریاں قبول ہیں، لیکن ہزاروں تبتل اور انقطاع توسل و متابعت کے بغیر ہمیں قبول نہیں۔

آں را کہ در سرائے نگاریت فارغ ہست
ان باغ و بوستاں و تماشائے لالہ زارا[1]

حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''اس حال کو جس میں بھی شریعت اور اہل سنت و جماعت کی رائے کی مخالفت ہوتی قبول نہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ احوال، شریعت کے تابع ہیں شریعت احوال کے تابع نہیں ہیں کیونکہ شریعت قطعی ہے وحی سے ثابت ہے اور احوال ظنی ہیں جو کشف والہام سے ثابت ہوتے ہیں اور فرماتے اگر موسیٰ علیہ السلام بھی اس دنیا میں ہوتے تو وہ بھی اس شریعت کی پیروی کرتے۔[2]

حضرت مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

ایک عاقل خدا پرست شخص جو حضرت مجدد کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا، بیان کرتا تھا کہ میں برہان پور میں شیخ فضل اللہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں پہنچا جن کو اس سرزمین دکن کا قطب کہا جاسکتا ہے انھوں نے مجھ سے حضرت مجدد کے اخلاق و اطوار کے متعلق دریافت کیا کہ ان کی خدمت میں میں رہے ہو بتاؤ وہ کیسے ہیں؟ میں نے کہا کہ میں ان کے باطنی احوال کیا بیان کرسکتا ہوں البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ظاہر و غائب میں جس طرح وہ نسب اور انس کی باریکیوں کی رعایت فرماتے ہیں اگر اس زمانے کے تمام مشائخ بھی جمع ہوجائیں تو اس کا سوواں حصہ بھی ادا نہیں کرسکتے، شیخ فضل اللہ علیہ الرحمہ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ جو کچھ اسرار حقیقت پہ قطب

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۲۸۵۔ [2] زبدۃ المقامات صفحہ ۲۹۰۔

الاقطاب فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں وہ سب صحیح اور حقیقی ہیں اور وہ اس معاملے میں بالکل سچے ہیں اور محقق بھی ہیں کیونکہ قول کی سچائی اور حال کی بلندی محض حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال اتباع کی وجہ سے ہوتی ہے۔[۱]

حضرت مجدد الف ثانی خود فرماتے ہیں۔

ہم نے خود کو شریعت میں ڈال دیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن صفت کی خدمت میں قائم ہیں۔[۲]

احتیاط وتقویٰ:

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ تمام امور شرعیہ میں احتیاط وتقویٰ کوملحوظ خاطر رکھتے تھے، مثلاً آپ کے وضو کرنے کا طریقہ ہی پڑھا جائے تو حیرت ہوتی ہے، کہ اتنی احتیاط اور تقویٰ فقط آپ کو شایاں ہے، آپ کی نماز آپ کی کرامت تصور کی جاتی تھی اس لیے کہ آپ نماز کے فرائض و واجبات، سنن ومستحبات کو نہایت احتیاط وتقویٰ سے ادا فرماتے تھے، مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''میں آپ کی نماز دیکھ کر بے اختیار ہوجاتا ہوں اور یقین رکھتا کہ آپ ہمیشہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھتے ہیں اور اسی کے مطابق آپ نماز ادا کرتے ہیں اور یوں تو اس حقیر نے دوسرے علما اور مشائخ کو بھی دیکھا ہے لیکن ایسی نماز کسی کی نہ دیکھی''۔

فرماتے ہیں کہ:

''اسی لیے ایک کثیر جماعت آپ کی نماز ہی کی وجہ سے آپ کی معتقد ہوئی تھی''۔[۳]

---

[۱] حضرات القدس صفحہ ۶۲ جلد دوم۔ [۲] حضرات القدس صفحہ ۱۷۰۔ [۳] حضرات القدس صفحہ ۹۹ جلد دوم۔

آپ کا ارشاد ہے:

لوگ ریاضت و مجاہدات کی ہوس کرتے ہیں کوئی ریاضت و مجاہدہ آداب نماز کی رعایت کے برابر نہیں'' نیز فرمایا کہ ''بہت سے ریاضت کرنے والے اور متورع کو دیکھا جاتا ہے کہ رعایتوں اور احتیاط میں مشغول ہیں لیکن آداب نماز میں سستی برتتے ہیں''۔[1]

اور نماز جمعہ کے بعد ظہر کے فرض کو چار سنت کے بعد آخر ظہر کی نیت سے احتیاطاً ادا فرماتے کہ بعض فقہائے قول کے مطابق شرائط جمعہ نہیں پائی جاتیں۔[2]

نماز کی امامت خود کراتے کہ سورہ فاتحہ پڑھی جائے گی اور فقہائے شافعیہ و مالکیہ کے مذہب پہ بھی عمل ہو جائے گا۔[3]

ذوق عبادت:

آپ بہت بڑے عبادت گزار اور ریاضت پسند تھے، علامہ بدرالدین سرہندی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ:

''ایک امیر وقت کو حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے معاملے میں کچھ تردد ہوا، اس نے وقت کے قاضی القضاۃ (جو آپ کا ارادت مند تھا) سے دریافت کیا کہ تم تو سچے عالم ہو، امانت و دیانت والے ہو، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا حال بتاؤ، اس نے کہا کہ اس طائفے کے باطنی احوال ہمارے ادراک و فہم سے باہر ہیں، البتہ اس قدر جانتا ہوں کہ آپ کے احوال و اطوار کو دیکھ کر متقدین اولیا کے احوال و اطوار کی یاد تازہ ہو جاتی ہے کیونکہ ہم نے جب اگلے وقتوں کے بزرگوں کا حال کتابوں میں پڑھا تھا تو دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ ان کی سخت ریاضتوں اور عبادتوں کا ذکر ان کے مریدوں نے مبالغے سے کیا ہوگا، لیکن اب جو ہم نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو

---

[1] زبدۃ المقامات صفحہ ۲۸۸۔ [2] حضرات القدس صفحہ ۹۳۔ [3] (زبدۃ المقامات)

دیکھا تو تردد جاتا رہا بلکہ ان بزرگوں کے احوال لکھنے والوں سے ہم کو شکایت ہے کہ انھوں نے کم لکھا ہے۔[۱]

آپ فرماتے ہیں ''شرم آتی ہے کہ انفرادی نماز میں قوت و استطاعت کے باوجود رکوع وسجود میں کم تسبیحات پڑھی جائیں۔[۲]

شانِ مجاہدہ:

شہزادہ داراشکوہ آپ کے بارے میں لکھتا ہے:

''متاخرین میں آپ کا مقام بہت بلند ہے، آپ صاحب مجاہدہ درویش تھے''۔[۳]

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ بہت کم کھاتے، کھانے کے وقت دیکھا گیا کہ اکثر وقت درویشوں، عزیزوں اور خادموں میں کھانا تقسیم کرنے میں گزر جاتا اور اس اثنا میں کبھی تین انگلیوں سے کوئی نوالہ لے لیتے اور کبھی طبق پر ہاتھ پہنچا کر منہ پر رکھ لیتے اور صرف ذائقہ چکھ لیتے، اس وقت ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کو کھانے کی حاجت نہیں ہے، محض اس لیے کھاتے ہیں کہ کھانا سنت ہے انبیائے کرام نے کھانا ترک نہیں فرمایا۔[۴]

آپ کے مجاہدات سنت مطہرہ کے مطابق ہوا کرتے تھے، ہمیشہ عزیمت پر عمل فرماتے۔

شانِ تمکین:

حضرت علامہ ہاشم کشمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ آپ کی صحبت اکثر

---

۱ حضرات القدس صفحہ ۲۳۔ ۲ حضرات القدس صفحہ ۱۶۶۔ ۳ سفینۃ الاولیاء صفحہ ۲۳۳۔

۴ حضرات القدس صفحہ ۹۰۔

خاموشی کی حالت میں گزرتی اور کبھی مسلمانوں کے عیب اور غیبت کا ذکر نہیں ہوتا تھا، آپ کے ساتھیوں کو آپ کی ہیبت بہت زیادہ ادب اور خشوع کی حالت میں رکھتی تھی اور ان کو کھلنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، آپ کی تمکین اس درجہ کی تھی کہ ان عظیم احوال کے وارد ہونے کے باوجود تلئین کے آثار آپ پر نمودار نہیں ہوتے تھے، شور، چیخ بلکہ آواز سے آہ بھی ظاہر نہیں ہوتی تھی، دوسال کی مدت تک بندہ حاضر خدمت رہا لیکن اس مدت میں تین چار مرتبہ دیکھا گیا کہ آنسوؤں کے قطرے چہرہ مبارک پر گرے اور اس کے علاوہ تین چار بار معارف عالیہ بیان کرتے وقت آپ کے چشم ورخسار میں سرخی اور دونوں مبارک گالوں پر حرارت پسینہ دکھائی دیا۔[1]

عزم واستقلال:

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کا دور از حد پرآشوب تھا، بدعت و ضلالت کے اندھیرے پھیلے ہوئے تھے کفر وشرک کی آندھیاں زوروں پر تھیں، اکبر اعظم کی اسلام دشمنی اور جہانگیری کی آزادروی کے سامنے ایک فقیر بارگاہ رسالت تھا جس کے عزم و استقلال نے اندھیروں کا تسلط ختم کیا اور شہنشاہوں کی اکڑی ہوئی گردنیں خم کردیں، اللہ اللہ!! آپ کے عزم و استقلال کی درخشندہ مثال سے تاریخ جگمگا رہی ہے، بادشاہ وقت نے سجدہ تعظیمی کے لیے مجبور کیا لیکن آپ نے فرمایا، جو سر بارگاہِ الوہیت میں جھکتا ہے کسی اور کے دروازے پہ کیسے جھک سکتا ہے، بادشاہ غیظ وغضب کا نشان بن گیا، ادھر آپ کے مخلصین نے یہ مشورہ دیا کہ بادشاہوں کے لیے سجدہ تعظیمی جائز ہے، سجدہ تعظیمی کرلیں، آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے گی اس مرد حق آگاہ نے فرمایا، یہ فتویٰ تو رخصت ہے عزیمت یہ ہے کہ غیر حق کے سامنے سجدہ نہ کیا جائے''۔[2]

---

[1] زبدۃ المقامات صفحہ ۲۸۳۔ [2] مناقب آدمیہ وحضرات احمدیہ بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی صفحہ ۱۷۶۔

پھر اس کے بعد طرح طرح کے ظلم وستم کا نشانہ بنایا گیا، لیکن مجال ہے جو عزم واستقلال کے عظیم پیکر کے قدموں میں لغزش پیدا ہوئی ہو، ایسی استقامت کی توقع فاروق اعظم کے لختِ جگر سے ہی کی جاسکتی ہے، حضرت علامہ اقبال آپ کے عزم واستقلال کو سلام پیش کرتے ہیں۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

تسلیم ورضا:

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

نہ معلوم اس ہندوراجپوت نے کیا سلوک کیا؟ آگرے سے گوالیار کس طرح لے گیا، قلعہ گوالیار میں لے جا کر کیا کیا، ہاں اس پائے نازنین کو پابند سلاسل کیا، کیسا ظلم کیا سرزمین ہند میں اس کے جان نثار وخدا کار اس کے اشارے کے منتظر ہیں مگر وہ اپنے رب کریم کی رضا پر راضی ہے ظالم ظلم کیے جارہے ہیں مگر وہ لطف اٹھا رہا ہے، کیا چشم عالم نے کبھی یہ منظر دیکھا ہے؟ ظالم نے صرف پابند سلاسل کیا، گھر اجاڑا، کتب خانہ بند، جائیداد ضبط، کنواں ضبط، زمین ضبط، جو کچھ پاس تھا سب ضبط کر کے آپ بے آسرا کر دیے گئے، مگر جس کا آسرا خدا پر ہو وہ کسی آسرے پر نہیں رہتا۔[۱]

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے اپنے مکتوبات آپ کے جذبہ تسلیم و رضا کے بہترین عکاس ہیں آپ عالم اسیری میں لکھتے ہیں، میر نعمان کو معلوم ہوا کہ میرے خیر اندیش دوستوں نے ہر چند میری رہائی کے اسباب پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن کچھ نتیجہ نہ نکلا، جو کچھ خدا نے کیا وہی بہتر بمقتضائے بشریت مجھ کو بھی اس

[۱] سیرت مجدد الف ثانی صفحہ ۱۶۷۔

سے کچھ رنج ہوا اور دل کی تنگی فرحت وشرح صدر سے بدل گئی اور یقین خاص سے معلوم ہوا کہ اگر اس جماعت کی مراد جو میرے درپے آزار ہے اللہ جل سلطانہ کی مراد کے موافق ہے، تو پھر اس پر ناپسندیدگی اور دل تنگی بے معنیٰ اور دعویٰ محبت کے منافی ہے۔[1]

ایک مقام پر فرماتے ہیں:

''آپ دوستوں سے کہہ دیں کہ وہ دل کی تنگی دور کریں اور جو لوگ درپے آزار ہیں ان کی طرف سے بددل نہ ہوں بلکہ ان کے فعل سے لذت حاصل کریں......اور جو میں نے جور و جفا کو صورت غضب کا آئینہ کہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقت غضب دشمنوں کا حصہ ہے، دوستوں کے لیے صورتاً غضب ہے اور حقیقتاً عین رحمت ہے، اس صورت غضب میں محبّ کے لیے اتنے منافع ودیعت کیے گئے ہیں کہ اس کی شرح کیا بیان کی جائے''۔[2]

اپنے شہزادوں سے فرماتے ہیں:

''فرزندان گرامی! خاطر جمع رہو لوگ ہر وقت ہماری تکلیفوں پر نظر رکھتے ہیں اور اس تنگی سے خلاصی چاہتے ہیں، ان کو معلوم نہیں کہ نامرادی، بے اختیاری اور ناکامی میں کس غضب کا حسن و جمال ہے اس کے برابر کون سی نعمت ہوگی، اللہ تعالیٰ جس شخص کو بے اختیار کر کے خود اس کے ارادے اور اختیار سے باہر نکال لے اور اپنے ارادے کے مطابق زندگی بخشے کہ اس کے امور اختیاریہ کو بھی اس بے اختیاری کے تابع بنا کر اس کو اپنے ارادے اور اختیار سے بالکل دست بردار کر دیا جائے اور اس کو مردہ بدست زندہ بنا دیا جائے، قید کے زمانے میں جب اپنی ناکامی و بے اختیاری کو دیکھتا ہے تو عجب لطف اٹھاتا ہے اور انوکھا مزہ پاتا تھا۔ فراغت والے مصیبتوں کے حسن کا کیا اندازہ کریں، بچوں کو صرف شیرینی میں مزہ ملتا ہے،

[1] مکتوب ۱۵ دفتر سوم۔ [2] مکتوب ۱۵ دفتر سوم۔

لیکن جس کو تلخی میں لذت ملی وہ شیرینی کو ایک جَو میں بھی نہیں خریدتا، والسلام علی من اتبع الہدیٰ‘‘۔[۱]

حق گوئی:

حضور مجدد الف ثانی قدس سرہ حق گو، بے باک، نڈر اور بہادر شخصیت کے مالک تھے، قاضی ظہور احمد اختر لکھتے ہیں:

’’حضرت مجدد نے جس سیاسی گھٹن اور جاہ و جلال اقتدار کے ہوتے شاہان وقت پر تنقید کی وہ انھیں کا حصہ تھا، اس نازک دور میں حکومت یا سربراہان حکومت پر تنقید کرنا اتنا آسان نہ تھا جتنا آج آسان ہے، ذرا ذرا سی باتوں پر تختہ دار پر چڑھا دیا جاتا تھا بلکہ اکبر کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ اپنے مخالفین کو اپنے ہاتھ سے زہر دے کر تڑپا تڑپا کے مار دیا کرتا تھا‘‘۔[۲]

آپ کی حق گوئی کا ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ ابوالفضل سے ملنے آئے ابوالفضل کو معلوم ہوا کہ آپ روزے سے ہیں اس نے وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا، چاند کے متعلق ابھی تک شرعی شہادت فراہم نہیں ہوئی، ابوالفضل نے کہا، بادشاہ نے تو حکم دے دیا ہے اب کیا عذر ہے؟ بے ساختہ آپ کے منہ سے اس وقت یہ جملہ نکلا ’’بادشاہ بے دین است، اعتبار ندارد‘‘۔[۳]

اندازہ کیجیے کہ مغل اعظم کے بہت بڑے ’’حواری‘‘ کے سامنے مغل اعظم پر اس قدر سخت تنقید کرنا کس بے خوفی، حق گوئی اور بہادری کی علامت ہے، مکتوبات شریف کا مطالعہ کریں، آپ نے حکومت وقت کی خوب خبر لی، مثلاً جہانگیر کے دور میں اس کے باپ پہ تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[۱] مکتوب ۸۳ دفتر سوم۔ [۲] فسانہ سلطنت مغلیہ صفحہ ۱۳۰ بحوالہ مجدد نمبر نور السلام ص ۱۵۲۔
[۳] الفرقان، مجدد الف ثانی نمبر ۸۷۔

بادشاہ کی درستگی سے عالم کی درستگی ہے اور بادشاہ کے فساد سے عالم کا فساد، آپ جانتے ہیں کہ زمانہ ماضی یعنی (عہداکبری) میں اہل اسلام پر کیا کچھ نہیں گزرا اسلام کی غربت حد کو پہنچی ہوئی تھی، اہل اسلام کی بدحالی اس سے آگے نہیں بڑھی تھی کہ مسلمان اپنے دین پر رہیں اور کافر اپنے طریقہ پر جیسا کہ آیت **لکم دینکم ولی دین** سے ظاہر ہے لیکن زمانہ ماضی میں تو یہ حال ہوا کہ کفار تو برملا پورے غلبہ کے ساتھ دارالاسلام میں احکام کفری جاری کرتے تھے اور مسلمان احکام اسلام ظاہر کرنے سے عاجز وقاصر تھے، اگر ظاہر کرتے تو قتل کردیے جاتے تھے۔[۱]

حسن ادب:

حضرت امام ربانی قدس سرہ ادب کی دولت سے مالا مال تھے، اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ جل سبحانہ، جل سلطانہ کے کلمات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ درود وسلام کا خصوصی اہتمام فرماتے، جہاں اللہ و رسول کا ذکر خیر کرتے وہاں حسن ادب کی تابانیاں قابل دید ہوتیں، بزرگوں کی بارگاہ میں نہایت عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرتے۔

مولانا بدرالدین سرہندی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''حضرت مجدد سرتاپا اکابر سلف وخلف کی محبت اور مدحت میں غرق تھے لیکن اگر ان بزرگوں کے کلام سے آپ نے اعراض فرمایا ہے تو وہ محض نیک نیتی اور حکمت اور الہام واعلام پر مبنی ہے''۔[۲]

مزید فرماتے ہیں:

''حضرت مجدد بزرگواروں کا ادب جیسا کہ چاہیے ملحوظ رکھتے تھے، ایک

---

[۱] مکتوب ۴۷ دفتر اول۔ [۲] حضرات القدس صفحہ ۱۵۲۔

مرتبہ آپ کے خاص مریدوں نے کتاب عوارف المعارف پڑھنی شروع کی اور آپ سے استدعا کی کہ اس کی شرح فرما دیں، چنانچہ آپ نے اس کتاب کے ایک جزء کی شرح نہایت فصیح و بلیغ عربی میں لکھی لیکن پھر فرمایا کہ ہم نے اب اس کتاب کی شرح لکھنی چھوڑ دی ہے اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی مقام پر ایسی بات آ جائے جس سے اس کے مصنف (حضرت شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ) کا ادب ہاتھ سے جاتا رہے''۔[۱]

آپ نے بعض مقامات پر بعض بزرگان سے اختلاف فرمایا لیکن ہر مقام پہ ان کا ادب ملحوظ خاطر رکھا، حضرت بایزید بسطامی اور حضرت منصور حلاج علیہ الرحمہ کے اقوال کی توضیح و تاویل اس انداز سے کی کہ ان پر کوئی حرف نہ آئے، یہ آپ کے حسن ادب کا ثبوت ہے، بعض مقامات پہ اختلاف کے باوجود حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ کیا عجب معاملہ ہے کہ باوجود اس کلام کے جناب شیخ مقبولان بارگاہ کبریا میں سے نظر آتے ہیں اور اولیاء کی جماعت میں ان کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ بر کریما کارہا دشوار نیست۔[۲]

ایک جگہ ان کے اس طرح شکر گزار ہیں:

''اور جناب شیخ کے بعد جو مشائخ آئے ہیں ان میں سے اکثر نے جناب شیخ کی پیروی کی ہے اور آپ ہی کی اصطلاح کو اختیار کیا ہے، ہم پسماندگان انہی بزرگوار کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے ہیں اور ان کے علوم و معارف سے فوائد حاصل کیے ہیں، اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے ان کو جزائے خیر عنایت کرے۔''[۳]

آپ خود بزرگوار کا احترام کرتے تھے، اس لیے دوسروں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے کہ وہ کسی بزرگ کی گستاخی نہ کریں، بڑے لوگوں کی گستاخی کرنے والوں سے اپنا تعلق توڑ لیتے تھے جیسا کہ مشہور ہے کہ ابوالفضل نے حضرت امام

---

[۱] حضرات القدس صفحہ ۱۵۳۔ [۲] مکتوب ۷۷ دفتر سوم۔ [۳] مکتوب ۷۹ دفتر سوم۔

غزالی علیہ الرحمہ کے بارے میں کہا ؎

غزالی نامعقول گفتہ است

آپ کو اس کی تاب نہ ہوئی اور یہ فرما کر فوراً چلے گئے (اگر حقوق صحبت ما اہل علم داری ازیں حرف پائے دمدا ز ادب زمان ما از دل) اگر ہم جیسے اہل علم سے ملنے کا شوق ہے تو ایسی بے ادبی کے الفاظ سے زبان کو روکو۔[1]

آپ اپنے شیخ کامل، مرشد ربانی سیدنا محمد عبدالباقی المعروف خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کا بے پناہ ادب کرتے تھے، خواجہ ہاشم کشمی لکھتے ہیں کہ:

''مجھ سے خواجہ حسام الدین احمد نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ نے مجھے حکم دیا کہ اپنے پیر و مرشد (مجدد الف ثانی) کو بلالاؤ جب میں نے آپ سے حضرت خواجہ کے یاد کرنے کا ذکر کیا تو آپ کے چہرے کا رنگ ایک دم بدل گیا، خوف کے آثار ظاہر ہوگئے، انتہائے خشیت سے بدن میں اضطرابی کیفیت پیدا ہوگئی، گویا کہ نشہ طاری ہوگیا ہے ان کی حالت کو دیکھ کر میں نے دل میں کہا، اب تک سنتا آیا تھا۔

سر دیگاں را بیش بود حیرانی

لیکن آج اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔[2]

آپ نے اپنے مخدوم زادوں کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال فرمایا جس کے ایک ایک حرف سے شکر و ادب کے سوتے ابلتے ہیں۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد اپنے مخدوم زادوں کی جناب میں عرض ہے کہ یہ فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد بزرگوار کے احسانات میں ڈوبا ہوا ہے فقیر نے اس طریقہ کی الف با کا سبق انہی سے لیا ہے..... حضرت خواجہ سے جو اعلیٰ دولت اس فقیر کو ملی ہے، اس کے عوض اگر یہ فقیر ساری عمر سر کو اپنے صاحبان کے خدام سے

---

[1] زبدۃ المقامات۔ [2] زبدۃ المقامات فصل سوم۔

پامال کراتا رہے تب بھی ہیچ ہے۔

گر برتن من زیاں شود ہر موئے
یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد

حضرت خواجہ کی آستاں بوسی سے یہ فقیر تین مرتبہ مشرف ہوا ہے۔[1]

جب کوئی بزرگ ملنے کے لیے آتا تو اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوجاتے اور صدر مجلس میں ان کو جگہ دیتے۔[2]

آپ متبرک کاغذات کا بہت احترام کرتے تھے ایک دن ناگاہ گھبرا کر اٹھے اور ایک کاغذ کو جس پر کچھ تحریر تھا، اٹھایا اور فرمایا ''بے ادبی ہے کہ کوئی تحریر ہم سے نیچے رہ جائے''۔[3]

یہ تو صرف کاغذ تھا حسن ادب کی ایک اور درخشاں مثال دیکھئے:

ایک دن آپ اسرار و معارف تحریر فرما رہے تھے، ناگاہ ضرورت بشری کی وجہ سے بیت الخلاء تشریف لے گئے، تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ آپ باہر تشریف لائے اور آپ نے پانی طلب کیا فرما کر بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کو دھویا اور آپ نے فرمایا، ناخن پر سیاہی کا دھبہ تھا اور سیاہی حروف قرآنی کے اسباب کتابت میں سے ہے بنا بریں لائق ادب نہ سمجھا کہ اس دھبہ کے ہوتے ہوئے طہارت کروں اور پھر آپ برائے طہارت تشریف لے گئے۔[4]

اسی طرح ایک دفعہ ایک حافظ جس نے سرہانے کے پاس فرش بچھا ہوا تھا تصورات میں مشغول ہوا آپ نے دیکھا کہ آپ جس جگہ بیٹھے ہیں وہ اس فرش سے کسی قدر بلند ہے جس پر حافظ قرآن تلاوت کررہا ہے چنانچہ آپ نے اس زائد فرش کو اپنے پاؤں کے نیچے سے لپیٹ کر کنارے پر کردیا۔[5]

---

[1] مکتوب ۲۶۶ دفتر اول۔ [2] حضرات القدس صفحہ ۱۰۰۔ [3] زبدۃ المقامات۔
[4] زبدۃ المقامات فصل ششم۔ [5] ایضاً۔

ایک دفعہ طہارت خانے میں ایک کوزے پر نظر پڑی جس پر اللہ تعالیٰ کا اسم جلالت کندہ تھا، آپ نے اس کوزے کو اچھی طرح صاف کیا اور نہایت ادب سے اونچی جگہ پر رکھ دیا پھر جب پانی کی طلب ہوتی اس کوزے میں نوش فرماتے، اسی پر الہام ہوا کہ تم نے ہمارے نام کو بلند کیا ہے ہم تمہارے نام کو بلند کریں گے، اور آپ فرماتے ہیں:

اگر میں سو سال بھی ریاضت کرتا تو اتنے فیوض و برکات حاصل نہ ہوتے جتنے اس عمل سے حاصل ہوئے۔[۱]

عاجزی وانکساری:

حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اس درجہ شان جلالت کی ایک وجہ آپ کی عاجزی و انکساری ہے، حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے اللہ کے لیے عاجزی کی اللہ نے اس کا رتبہ بلند کر دیا، جب آپ پر الزام لگا کہ آپ معاذ اللہ اپنے آپ کو صدیق اکبر سے افضل سمجھتے ہیں آپ نے بھرے دربار میں فرمایا ''میں تو خود کو سگ سے بہتر نہیں سمجھتا تو پھر حضرت صدیق اکبر سے کیسے افضل سمجھ سکتا ہوں۔[۲]

اس کمترین نے بارہا آپ سے سنا کہ کیا ہم اور کیا ہمارا عمل، جو کچھ بھی ملا ہے اللہ کا کرم ہے، اور اگر کوئی چیز اس کے کرم کے واسطے بہانہ بنی ہے، تو وہ سید الاولین و آخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے، ہمارے کام کا مدار اس پر ہے۔[۳]

فرماتے ہیں:

---

[۱] حضرات القدس صفحہ ۱۱۳۔ [۲] مناقب آدمیہ ورق ۱۷۱ بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی ص ۱۷۷۔
[۳] زبدۃ المقامات۔

عمل صالح کو تکبر اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح لکڑی کو آگ تباہ کر دیتی ہے، آدمی کو چاہیے کہ اپنی پوشیدہ برائیوں کو یاد کرتا رہے اور اپنی نیکیوں پر پردہ ڈالے، اپنی عبادتوں کے ادا کرنے سے شرمندہ ہوں۔[۱]

اوصاف متصرفہ:

(۱) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ بہت فیاض و دریا دل تھے، کبھی نیا لباس پہنتے تو پہلا کسی غریب یا عزیز، خادم یا مسافر کو دے دیتے آپ کی خدمت میں پچاس ساٹھ بلکہ سو لوگ علما، عرف، مشائخ، حفاظ، اشراف، سادات میں سے ہوتے تھے، جن کو آپ کے مطبخ سے کھانا ملتا تھا۔[۲]

(۲) آپ کو اہل کفر سے سخت نفرت تھی، کافروں کی ہرگز تعظیم نہ کرتے حکومت اور صاحب جاہ کیوں نہ ہوتے تھے۔[۳]

(۳) ہر شخص سے سلام میں پہل کرتے، مولانا بدر الدین سرہندی فرماتے ہیں، مجھے معلوم نہیں کہ کبھی کوئی شخص سلام میں آپ پر سبقت کر سکا ہو۔[۴]

(۴) فرض و سنت کی ادائیگی تو بڑی بات ہے، آپ مستحبات پر بھی سختی سے عمل کرتے تھے، ایک دن کالی مرچ کے دانے طلب کیے، مولانا صالح احتلافی چھ عدد دانے لے آئے، آپ نے رنجیدہ ہو کر فرمایا، ہمارے صوفی کو دیکھو انھوں نے **اللّٰہ وتر ویحب الوتر** نہیں سنا، اگرچہ یہ عمل مستحب ہے لیکن لوگ مستحب کو کیا سمجھتے ہیں؟ مستحب وہ کام ہے جو اللّٰہ کو پسند ہے اور اللّٰہ کی پسند پر دنیا و آخرت قربان کر دی جائے تب بھی کچھ نہیں دیا۔[۵]

---

۱ حضرات القدس ص ۱۶۷۔ ۲ حضرات القدس ص ۱۰۰۔ ۳ حضرات القدس ص ۱۰۰
۴ حضرات القدس ص ۲۰۰۔ ۵ زبدۃ المقامات۔

اعلان مجددیت الف ثانی:

آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح مبعوث من اللہ ہوئے، اسی طرح آپ اپنی نبوت کے اعلان پر بھی مامور من اللہ ہوئے چنانچہ آپ نے اپنی نبوت کا بنا نگ دھل اعلان فرمایا، اسی طرح حضرت امام ربانی کو بطور مجدد الف ثانی بعثت من جانب اللہ تھی اور آپ بطور تحدیث نعمت اور بغرض استفادۂ مخلوق خدا اس کے اعلان پر مامور من اللہ تھے، اس لیے آپ نے مکاتیب شریفہ میں کئی مقامات پر واضح طور پر اس کا اعلان فرمایا، اس سلسلہ میں آپ کے مکاتیب گرامی سے چند اقتباسات پیش ہیں۔

اپنے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کے نام ایک مکتوب گرامی میں آپ یوں تحریر فرماتے ہیں:

''اور میری پیدائش سے جو مقصود مجھے معلوم ہے میرے علم میں پورا ہوگیا ہے اور ہزار سالہ تجدید کی دعا مقبول ہوگئی ہے تمام تعریفیں اس ذات کے لیے جس نے مجھے دو سمندروں کے درمیان صلہ اور دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرانے والا بنا دیا''۔[1]

میر محمد نعمان کے نام ایک مکتوب گرامی میں مزید وضاحت کے ساتھ فرمایا ''فقیر عین الیقین اور حق الیقین کے متعلق کیا عرض کرے اور عرض کرنے سے کون سمجھے گا کون پائے گا اور کیا پائے گا یہ معارف دائرہ ولایت سے خارج ہیں، ارباب ولایت علمائے ظواہر کی طرف ان کے ادراک سے عاجز ہیں اور ان کے حاصل کرنے سے قاصر ہیں، یہ علوم انوار نبوت علی البابہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے سینے سے اخذ کے گئے ہیں جو دوسرے کے آغاز کے بعد تبعیث اور وراثت کے طور پر

---

[1] مکتوب ۲ دفتر حصہ اول ص ۹۵۷۔

تازہ ہوئے ہیں اور پوری تازگی کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے ہیں، ان علوم و معارف والا اس ہزار سال کا مجدد ہے جیسا کہ اس کے علوم و معارف میں جو ذات و صفات اور افعال سے تعلق رکھتے ہیں اور جو احوال و مواجید تجلیات اور ظہورات سے متعلق ہیں دیکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں، تو صاحب نظر لوگ جانتے ہیں کہ یہ معارف اور علوم، علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے وراء ہیں بلکہ ان کے علوم ان علوم کی نسبت چھلکا ہیں اور وہ معارف اس چھلکے کا مغز ہیں اور اللہ سبحانہ ہی ہدایت دینے والا ہے اور جان لیں کہ ہر سو سال پر ایک مجدد گزرا ہے لیکن سو سال کا مجدد اور ہے اور ہزار سال کا مجدد اور ہے، جس طرح سو ہزار میں فرق ہے ان دو مجددوں میں اسی طرح فرق ہے، بلکہ اس سے زیادہ اور مجدد وہ ہوتا ہے کہ فیوض و برکات میں سے جو کچھ اس مدت میں امتیوں کو پہنچتا ہے اس کے واسطے سے پہنچتا ہے اگرچہ اس وقت کے قطب اور اوتاد ہوں اور ابدال و نجبا ہوں، مصلحت عام کی خاطر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو خاص کر لیتا ہے۔[1]

اپنے ایک اور مکتوب میں اسی مقام مجددیت الف ثانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اے فرزند! یہ علوم و معارف جن کی نسبت کسی اہل اللہ نے نہ ہی صراحت سے اور نہ ہی اشارہ سے گفتگو کی ہے، بڑے اعلیٰ معارف اور اکمل علوم ہیں جو ہزار سال کے بعد ظہور میں آئے ہیں، اے فرزند! یہ وہ وقت ہے جبکہ پہلی امتوں میں ایسی ظلمت سے بھرے ہوئے وقت میں اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوتا تھا اور نئی شریعت کو زندہ کرتا تھا، اور اس امت میں جو خیر الامم ہے اور اس امت کا پیغمبر خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس کے علما کو انبیائے بنی اسرائیل کا مرتبہ دیا ہے اور علما کے وجود کے ساتھ انبیا کے وجود سے کفایت کی ہے اسی واسطے ہے،

---

[1] مکتوب نمبر ۴، دفتر دوم حصہ اول ص ۹۵۴۔

ہر صدی کے بعد اس امت کے علما میں ایک مجدد مقرر کرتے ہیں تاکہ شریعت کو زندہ کرے خاص کر ہزار سال کے بعد جو کہ اولوالعزم پیغمبر کے پیدا ہونے کا وقت ہے اور ہر پیغمبر پر اس وقت کفایت نہیں کی ہے اسی طرح اس وقت ایک نام المرتبت عاصم و معارف درکار ہے جو گزشتہ امتوں کے اولوالعزم پیغمبر کے قائم مقام ہو۔[1]

میر نعمان کے نام اپنے ایک مکتوب گرامی میں بطور تحدیث نعمت اپنے اسی مقام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ وہ کمالات ہیں جو ہزار سال کے بعد وجود میں آئے ہیں اور یہ آخریت ہے جو اولیت کے رنگ میں ظاہر ہوئی ہے شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سبب سے فرمایا اولھم خیر ام اخرھم ان میں سے اوّل بہتر ہے یا آخر، اور اس امت کی آخریت کا شروع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحلت فرما جانے کے بعد الف ثانی یعنی دوسرے ہزار سال کی ابتدا ہے کیونکہ الف یعنی ہزار سال گزرنے کو امور کے تغیر میں بڑی خاصیت ہے اور اشیا کی تبدیلی میں قوی تاثیر ہے اور چونکہ اس امت میں نسخ اور تبدیلی نہیں ہے اس لیے سابقین کی نسبت اسی ترو تازگی میں جلوہ گر ہوئی ہے الف ثانی میں از سر نو شریعت کی تجدید اور ملت کی ترقی فرمائی ہے اس معنیٰ پر حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت مہدی علیہ السلام دونوں عادل گواہ ہیں۔

فیض روح القدس ار باز مدد فرمائے
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

(روح القدس پھر مدد فرمائے تو دوسرے بھی وہ کر سکتے ہیں جو حضرت مسیح کرتے تھے) ''اے برادر! یہ بات آج اکثر لوگوں کو ناگوار اور ان کے فہم سے دور معلوم ہوتی ہے لیکن اگر انصاف کریں اور ایک دوسرے کے علوم و معارف کا موازنہ

---

[1] مکتوب نمبر ۲۳۴، دفتر اول حصہ چہارم ۵۴۸۔

کریں اور احوال کی صحت وسقم علوم شرعیہ کی مطابقت اور عدم مطابقت سے ملاحظہ کریں اور شریعت ونبوت کی تعظیم وتوقیر دیکھیں کہ ان میں کس میں زیادہ شر ہے؟ تو امید ہے کہ یہ تعجب ان کا جاتا رہے گا اور یہ بات ان کی فہم سے دور معلوم نہ ہوگی۔[۱]

اقرار مجددیت:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان نبوت پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے جس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم وغیرہما نے اس کو تسلیم کیا اسی طرح حضرت امام ربانی کے اعلان پر مجددیت الف ثانی کو وقت کے اکابر اولیا اور علما نے تسلیم کیا، بشارتیں دیں اور ان کو مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کیا، چند اولیائے امت اور علمائے ملت کے ارشادات پیش خدمت ہیں۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی:

حضرت مخدوم محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں کہ ایک روز میرے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''مجدد الف ثانی'' بنایا اگر وقت کے علما بھی اس بات کو تسلیم کر لیتے تو پوری تائید ہوجاتی یہ دل میں خیال آتا تھا کہ حضرت امام ربانی میرے دل کے اس وسوسہ پر مطلع ہوگئے اور فوراً میری تسلی کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کا علوم نقلیہ وعقلیہ میں بڑا بلند مقام ہے انھوں نے فقیر کو ایک خط لکھا ہے کہ اس میں جہاں بہت سے القاب لکھے ہیں وہاں ایک لقب ''مجدد الف ثانی'' بھی لکھا ہے، حضرت مخدوم محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں کہ اس خط کے آنے کے بعد ایک روز علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے خواب میں حضرت امام ربانی کو دیکھا کہ آپ یہ آیت پڑھ رہے ہیں **قل اللّٰہ ثم ذرھم** (اللہ کہو پھر ان کو چھوڑ

---

[۱] مکتوب ۲۶۱، دفتر اول حصہ چہارم ۲۶۵،۲۶۶،۲۶۷۔

دو) یہ خواب دیکھتے ہی آپ چند دنوں کے بعد امام ربانی کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے چل دیے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر طریقت و حقیقت کے معارف سے فیضیاب ہوئے اور حضرت کے مخلصین میں شامل ہوگئے اور آپ فرمایا کرتے تھے کہ تجدید الف ثانی کے حامل کو اگر ان علوم و معارف اور مراتب عالیہ سے نوازا جائے تو یہ کوئی عجیب وغریب بات نہیں ہے۔[1]

شیخ الاسلام احمد جام:

شیخ الاسلام احمد جام رحمۃ اللہ علیہ نے مقامات میں آپ کی ولادت سے قبل آپ کی تشریف آوری اور تجدید الف ثانی کے منصب پر فائز ہونے کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میرے بعد ستر آدمی احمد جام کے پیدا ہوں گے جس میں سے آخری شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ہزار سال بعد ظاہر ہوگا اور وہ امت محمدی کے تمام اولیا سے افضل ہوگا۔[2]

شیخ ابوالحسن چشتی:

خاندان چشتیہ کے ایک کامل بزرگ شیخ ابوالحسن چشتی نے حضرت امام ربانی کی ولادت کی رات ایک خواب دیکھا کہ شہر سرہند میں تمام اولیائے امت جمع ہیں اور ان کے درمیان ایک نور کا ممبر رکھا ہوا ہے جس پر ایک مرد باخدا تشریف فرما ہو کے فرمارہے ہیں کہ لوگو! تمہیں مبارک ہو آج رات وہ شخص پیدا ہورہا ہے جس کی روح جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزار سال اپنی گود میں تربیت فرمائی ہے اس امت کے اولیا کو جو کمالات علیحدہ علیحدہ عطا ہوئے وہ سب اس ایک ذات میں مجتمع کردیے گئے ہیں۔[3]

---

[1] زبدۃ المقامات محمد ہاشم کشمی ص۲۵۳۔ [2] روضۃ القیومۃ ص۱۰۲۔ [3] روضۃ القیویب ۱۲۰۔

شاہ غلام علی دہلوی:

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کا مجدد الف ثانی کے لقب سے ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آپ مجدد الف ثانی ہیں'' آپ کے حقائق و دقائق، معرفت کی باتوں اور آپ کے فیوض و برکات نے بہت سے دلوں کی اصلاح فرمائی ہے، آپ نے سچے الہامات کے ذریعہ اپنے طریقہ میں بلند مقامات مقرر فرمائے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قریب کے بلند مراتب ہیں۔[۱]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی:

مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی جن کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بیہقی وقت کے لقب سے یاد کرتے تھے، وہ اپنی تفسیر مظہری میں جابجا **قال المجدد الف ثانی رضی اللّٰه عنه** (ج۵ص۶۵) کہہ کے بطور سند آپ کے اقوال نقل فرماتے ہیں جبکہ دوسری تصنیف ارشاد الطالبین میں آپ کے اس وقت ''مجدد الف ثانی'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''جب ہزار سال گزر گئے اور اولوالعزم پیغمبر کے آنے کا وقت ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی عادت قدیمہ کے مطابق دوسرے ہزار سال کے لیے ایک مجدد پیدا فرمایا جس کے تمام مجدد اولیائے کرام میں وہ ہی مقام ہے جو اولوالعزم پیغمبر کا تمام انبیا میں مقام ہوتا ہے اور اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ہوئے خمیر سے پیدا کیا اور اس کو وہ کمالات اور مقامات عطا فرمائے جو کسی نے نہیں دیکھے۔[۲]

---

[۱] مکاتیب شاہ غلام علی دہلوی مکتوب نمبر ۱ ص ۵۔ [۲] ارشاد الطالبین قاضی ثناء اللہ پانی پتی ص ۶۳۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اخبار الاخیار میں آپ کو مجدد الف ثانی سمیت مندرجہ ذیل عظیم القاب سے یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں قدوۃ الاخیار زبدۃ المقربین الابرار قطب الاقطاب جہانیاں مآب مظہر تجلیات الٰہی مصدر برکات نامتناہی امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ'' صرف یہ نہیں کہ شیخ محقق علی الاطلاق نے آپ کو مجدد الف ثانی فرمایا بلکہ اس لقب کی حقانیت پر استدلال کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں:

''آپ کے جو معارف و حقائق سنے گئے اور آپ کی جو رشد و ہدایت دیکھی گئی وہ بلند آواز سے بتا رہی ہے کہ ان کا حامل مجدد ہے اور مجدد بھی مجدد مائۃ یعنی سو سال کا مجدد نہیں بلکہ مجدد الف ثانی یعنی ہزار سال کا مجدد ہے، سو اور ہزار کے درمیان کوئی چھوٹا نہیں بڑا فرق ہے، کاش تم اس کو جانتے ہوتے۔[1]

خواجہ عبداللہ:

حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادے حضرت خواجہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے منظوم کلام میں آپ کے مجدد ہونے کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

امام زماں قطب اقطاب عالم
کہ چوں او ندانم کہ بگذشت یک تن
زبس ہمت و وسعت فیض باطن
بہ تجدید الف دوم شد معین[2]

---

[1] اخبار الاخیار شیخ عبدالحق ص ۳۱۴۔ [2] حضرات القدس، بدرالدین ۲۶۵۔

مرزا مظہر جان جاناں

وقت کے ایک اور عارف کامل اور ولی برحق حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک مکاشفہ بیان فرمایا جس سے حضرت امام ربانی کی بارگاہ مصطفوی میں عظمت ومقبولیت کا جہاں پتہ چلا ہے وہاں اس لقب مجدد الف ثانی کی حقانیت بھی آشکارا ہو جاتی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آرا کی زیارت سے مشرف ہوا، میں نے حضور سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا مثل الشال در امت من دیگر کیست کہ ان جیسا میری امت میں اور کون ہے، پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکتوبات آپ کی نظر سے گزرے؟۔ آپ نے فرمایا اگر تمہیں کچھ یاد ہے تو اس میں سے کچھ سناؤ، میں نے حضور کو مکتوبات کی یہ عبارت پڑھ کر سنائی کہ۔

ان اللّٰہ تعالیٰ وراء الوراء ثم الوراء کہ اللہ تعالیٰ بلند سے بلند تر ہے آپ نے اس کو بہت پسند فرمایا اور اس سے بڑے لطف اندوز ہوتے ہوئے فرمایا اسے دوبارہ پڑھو میں نے دوبارہ یہی عبارت پڑھی تو آپ نے اس کی بڑی تحسین فرمائی اور بہت دیر تک تعریف فرماتے رہے۔[1]

اس کے علاوہ حضرت امام ربانی کی اولاد احفاد اور ان کے ہزاروں خلفا اور اس وقت سے اب تک سلسلۂ نقشبندیہ میں آنے والے اور دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے لاکھوں اولیا اور علما نے ہر دور میں حضرت امام ربانی کے تجدیدی کارناموں کو تسلیم کرتے ہوئے آپ کے تجدید الف ثانی کے منصب کو تسلیم کیا اور آپ کو مجدد الف ثانی مانا اور اس کا اقرار کر کے روحانیت کے اعلیٰ مراتب حاصل

[1] حضرت مجدد الف ثانی سید ذوار حسین شاہ ص ۳۶۸۔

کیے یوں کہہ لیجیے کہ اولیا اور علما کا آپ کے مجدد الف ثانی ہونے پر اتفاق ہے اور اجماع ہے۔

سفر دہلی اور ملاقات خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ:

والد محترم کی وفات کے بعد حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ سے آپ ۱۰۰۸ء میں گھر سے روانہ ہوئے دہلی کے قیام میں ایک دوست شیخ حسن کشمیری سے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات باطنی کا ذکر سن کر شوق و زیارت پیدا ہوئے، جب ملاقات کو پہنچے تو حضرت خواجہ نے فرمایا کہ آپ ایک مبارک سفر پر جارہے ہیں، لیکن اگر چند روز فقرا کی صحبت میں رہیں تو کتنا اچھا ہو، زیادہ دن نہیں کم از کم ایک ماہ یا ایک ہفتہ اس میں کیا مضائقہ ہے۔

حضرت امام ربانی حضرت خواجہ کی خواہش کے احترام میں جو خلوص ومحبت پر ہنسی مبنی تھی رک گئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ نے اپنے ایک مرید کو آپ کی آمد پر تحریر فرمایا شیخ احمد نامی ایک عالم باعمل سرہند سے آئے ہیں، چند دن اس فقیر کے ساتھ اٹھے بیٹھے عجیب وغریب حالت دیکھنے میں آئے ایسا معلوم ہوتا کہ وہ ایک چراغ ہوں گے جس میں سارا عالم روشن ہوجائے۔

حضرت خواجہ کا طرز عمل آپ کے ساتھ نہایت مخلصانہ اور مشفقانہ رہا اور حضرت نے آپ کو طریقہ خواجگان کی تعلیم شروع کی اور ڈھائی ماہ کے قلیل عرصہ میں آپ کو علوم باطنی سے مالا مال کر دیا ہے اور حضرت مجدد نے ''مقام تکمیل'' حاصل کرلیا، آپ کو سلسلہ نقشبندیہ کی اجازت عطا فرمائی اور خرقہ شریف سے مشرف فرمایا حضرت امام ربانی نے اپنے پیرزادگان کو جو خط خواجہ سے اپنے فیض روحانی

کے حصول کے بارے میں لکھا، اس میں فرماتے ہیں، فقیر سر سے پاؤں تک آپ کے والد ماجد کے احسانات میں غرق ہے، طریقت میں الف ب کا سبق انھیں سے لیا ہے اور اس راہ کے حروف تہجی ان ہی سے سیکھی ہے، ''اندراج النہا فی البدایہ'' کی دولت ان ہی کی برکت وصحبت سے حاصل کی ہے اور سفر وطن کی سعادت کو ان کی خدمت کے صدقے ہی میں پایا ہے ان کی توجہ مبارک دو اڑھائی ماہ میں اس نا قابل کو نسبت نقشبندیہ تک پہنچا دیا اور اکابر کے ''حضور خاص'' کو بھی عطا فرمایا۔

اس مدت قلیلہ میں جو کچھ تجلیات وظہورات انوار و الوان رنگ و بے رنگیاں، کیف و بے کیفیاں ان کے طفیل حاصل ہوئیں ان کی کیا تشریح کروں، ان کی توجہ مبارک کی برکت سے معارف توحید وغیرہ کا شاید ہی کوئی دقیقہ رہ گیا ہو جو اس فقیر پر واضح نہ کیا گیا ہو اور اس کی حقیقت سے اطلاع نہ پائی ہو۔

حضرت خواجہ ''آپ کا بہت احترام کرتے اور فرماتے کہ میں حضرت شیخ احمد کو نسبت نقشبندیہ کی امانت دے کر بری الذمہ ہو گیا ہوں اور فرماتے ہیں کہ شیخ احمد ایک آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے اس کی روشنی میں گم ہو جائیں گے، آسماں کے نیچے ان کی نظیر نہیں ملتی، ان جیسے اس امت میں چند ہی گزرے ہیں۔

اب حضرت خواجہ نے حضرت مجدد کو رخصت فرمایا اور آپ سرہند پہنچ کر اپنے مرشد کے حکم کے مطابق درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں طالبوں کو چشمہ فیض سے سیراب فرمایا:

کچھ عرصہ قیام سرہند کے بعد حضرت مجدد دوبارہ حضرت خواجہ کی خدمت میں دہلی تشریف لے گئے اور حضرت خواجہ کے فیض صحبت سے مزید مستفیض ہوئے اور روحانی مدارج طے کیے۔

دہلی سے سرہند واپسی پر حضرت کی شہرت میں بہت اضافہ ہو چکا تھا اور

لوگ جوق در جوق فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے پہنچنے لگے اور اس چشمۂ فیض سے فیضیاب ہوتے رہے۔

حضرت مجدد لاہور گئے ہوئے تھے کہ اپنے مرشد کامل حضرت خواجہ باقی باللہ کی وفات (۱۰۱۲ھ) کی خبر ملتے ہی دہلی روانہ ہوئے، مزار مرشد پر فاتحہ پڑھی، پیرزادگان کے ساتھ تعزیت کرنے کے بعد سرہند تشریف لے گئے۔

مرشد کی وفات کے بعد آپ نے تبلیغ وارشاد اور اصلاح وتجدید کا کام کچھ تیز کردیا لیکن شاید اکبر کے ظلم واستبداد کی وجہ سے یہ کام کھل کر نہ کیا جاسکا تاہم اکبر بادشاہ کے انتقال (۱۰۲۴ھ) کے بعد آپ نے اپنے مشن کی تکمیل کے لیے ملک کے طول وعرض میں خلفا ومریدین کا جال بچھا دیا۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ دنیائے مغرب میں

مشرقی ممالک پر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے جو اثرات ہوئے وہ محتاج بیان نہیں اب مشرقی اور مغربی مستشرقین، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے کارناموں اور تعلیمات کو مغرب میں متعارف کرا رہے ہیں اور یہ سلسلہ ہمہ گیر ہوتا جارہا ہے نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے لکھا تھا:

''ووصلت سلسلته من الهند الى ماوراء النهر والروم والشام والعرب واقصى المغرب

ترجمہ: اور آپ کا سلسلہ ہندوستان سے نکل کر ماوراء النہر، روم، شام، عرب اور اقصائے مغرب تک پہنچ چکا ہے۔

مغربی تصانیف میں پروفیسر آرنلڈ (T.W.Amold) کی تصنیف "The preaching of Islam" میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا ذکر ملتا ہے یہ کتاب ۱۸۹۹ء میں منظر عام پر آئی، مصنف کے پیش نظر مسلمانوں کی

تبلیغی مساعی کا جائزہ تھا، اس لیے انھوں نے قلعہ گوالیار میں قید کے زمانہ میں (۱۰۲۹ھ/ ۱۶۱۸ء تا ۱۰۲۹ھ/۱۶۱۹ء) حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے جو بے شمار ہندوؤں کومشرف باسلام کیا تھا اس کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔
وہ لکھتے ہیں:

In the reign of the Emperor Jahangir (1605-1628) there was a cretain sunni theolgion nomed shaykh Ahmad Mujaddid the especially distingoished himself by energy with which he controverted the doctrines of she aks. The latter, being at this time in favomr at court, succeeded in hoving him imprisined on some frivolous charges, During the two years that he was kept in prison he converted to Islam sveral handred idolaters who were his componions in the same prison

ترجمہ: شہنشاہ جہانگیر کے عہد حکومت (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۸ء) میں ایک عالم دین تھے جن کا نام شیخ احمد مجددی تھا انھوں نے شیعوں کے عقائد ونظریات پر جس قوت سے بحث کی ہے اس سے وہ خاص طور پر نمایاں ہوگئے ہیں چوں کہ شاہی دربار شیعوں کے حق میں سازگار تھا اس لیے وہ شیخ احمد مجدد کو گرفتار کرانے میں کامیاب ہوگئے، آپ نے قید و بند کے دو سالوں میں کئی سو بت پرستوں کومشرف باسلام کیا جو اسی قید خانے میں جہاں آپ مقید تھے آپ کے ساتھی قیدی تھے پروفیسر آرنلڈ (T.W.Arnold) نے انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجز اینڈ ایتھلس میں

بھی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا ذکر کیا ہے چنانچہ نقشبندیہ صوفیہ کے ذیل میں انھوں نے لکھا ہے:

The Naqshbandi orderdid not attain such a vouge in India as the other mentioned obove it was introduced there by shaikh Ahmad, al Faruqi Who died at Sirhind in 1625

ترجمہ: سلسلہ نقشبندیہ نے ہندوستان میں وہ مقبولیت حاصل نہیں کی جو دوسرے سلاسل نے حاصل کی ہے جن کا اوپر ذکر کیا گیا، ہندوستان میں اس سلسلے کو شیخ احمد الفاروقی نے متعارف کرایا جو ۱۶۲۵ء میں سرہند میں انتقال کر گئے، پاک و ہند میں سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے واسطے سے ہوئی مگر اس کو پاک و ہند میں خواجہ باقی باللہ (م۱۰۱۲ھ ۱۶۰۳ء) نے متعارف کرایا تھا، آرنلڈ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس کو متعارف کیا، یہ خیال بھی صحیح نہیں کہ آپ دو سال قید رہے، آپ ایک سال گوالیار میں قید رہے۔

پروفیسر آر، اے نکلسن (R.A.Nicholson) نے تصوف میں تصور شخصیت کے موضوع پر چند لیکچر دیے تھے جو ۱۹۲۲ء میں ایک مجموعہ کی صورت میں بعنوان "The Idea of Personality in sufism" تصوف میں شخصیت کا تصور انگلستان سے شائع ہوئے تھے، پروفیسر آربری (A.R.Arberry) کی نشاندہی پر اس کتاب کا مطالعہ کیا اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ اس قسم کے موضوع کے تحت حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا ذکر تک نہیں کیا گیا، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے تصور وحدۃ الشہود نے تصوف میں انقلاب پیدا کر دیا تھا جو اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

پروفیسر مارگولس (D.S.Marglioth)

"Mohammadanism" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی جو ۱۹۱۱ء میں انگلستان سے شائع ہوئی تھی بعد میں سر ہملٹن گد نے اس میں مزید اضافہ کیے اور ۱۹۴۹ء میں ان اضافوں کے ساتھ یہ شائع ہوئی اس کتاب میں مؤلف نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی علمیت، فضیلت اور آپ کے مجاہدانہ مساعی کا ذکر کیا ہے اور اس بات پر اظہار افسوس کیا ہے کہ تعلیمات مجددیہ کی طرف ابھی پوری طرح توجہ نہیں کی گئی ہے، مصنف نے لکھا ہے:

During the Seventeenth and eighteenth centries a succession of remarkable Scholars stove to restate the bases of Islamic thedagy in a manner which broke away from the Formulism of the orthodox manuals and laid stress upon the psy chological and ethical elements in religion. Among the more outstanding figures in this morement. Which has not received the attention it deserves, were the Syrian Abdul Ghani of Nablus (1614-1731) and the Indians Ahmad Sirhindi (1563-1624) and Shah Wali Ullah of Delhi (1702-1762)

ترجمہ: سترہویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں ممتاز ترین فضلا کے ایک سلسلے نے یہ کوشش کی کہ شریعت اسلامیہ کی بنیادوں کو اس طرح دوبارہ مستحکم کیا جائے کہ وہ اہل سنت و جماعت کے رسمی نظام سے منفرد ہوں انھوں نے مذہب میں نفسیاتی اور اخلاقی اساس پر زیادہ زور دیا ہے، اس تحریک کی نہایت ممتاز

شخصیات میں یہ حضرات ہیں جن کی طرف ابھی تک وہ توجہ نہیں دی گئی جس کے وہ مستحق تھے یعنی شیخ عبدالغنی نابلسی (۱۶۴۱ء۔۱۷۳۱ء)

ہندوستان کے احمد سرہندی (۱۵۶۳ء۔۱۶۲۴ء) اور شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۷۰۲ء۔۱۷۶۲ء) ۱۹۳۲ میں علامہ اقبال (م ۱۹۳۸ء) گول لیز کانفرنس میں شرکت کے لیے انگلستان تشریف لے گئے تھے، لندن میں (Aristotalion Sociely) کی درخواست پر علامہ نے ایک لیکچر دیا تھا، جس کا عنوان تھا Is Religion possible اس لیکچر میں علامہ نے اہل مغرب کو حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی تعلیمات اورنظریات سے روشناس کرایا تھا اور آپ کے نظریات کی روشنی میں مختلف مغربی فلاسفہ پر تنقید بھی کی تھی، پروفیسر سی۔اے اسٹوری (C.A.Storey) نے اپنی تالیف پرشین لٹریچر (Persian literatur) میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا ضمناً ذکر کیا ہے چونکہ ان کے پیش نظر مؤلفین ومصنفین اور ان کی تالیفات وتصنیفات کے متعلق تفصیلات فراہم کرنا تھا، اس لیے اجمال سے کام لیا ہے، موصوف نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے حالات سے متعلق مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) محمد ہاشم کشمتی برکات الاحمدیہ الباقیہ ۱۶۲۷/ ۱۰۳۷

(۲) محمد ہاشم کشمتی سماۃ القدس من حدائق الانس ۱۶۳۲/ ۱۰۳۱

(۳) محمد امین بدخشی مناقب آدمیہ وحضرات احمدیہ ۸۔۱۷۲۶/ ۴۰۔۱۱۳۹

(۴) میر علی اکبر حسین اردستانی محفل الاصفیا ومجمع الاولیاء ۱۰۴۳/ ۱۶۲۳

(۵) غلام علی کرامات وارشادات مجدد الف ثانی

(۶) مظہر الدین فاروقی مناقب احمدیہ ومقامات سعیدیہ

اسٹوری نے حضرت مجدد کے حالات میں آپ کی ولادت (۴۔۱۵۶۳ء/ ۹۷۱ھ جہانگیر کے ہاتھوں قید ۱۶۱۹/ ۱۰۲۸) پھر رہائی ۱۶۲۰/ ۱۰۲۹ اور خلعت و

نذرانے سے نوازے جانے کا ذکر کیا ہے اور آخر میں وفات ۲۹ صفر ۱۰۳۴ھ ۱۱ دسمبر ۱۶۲۴ء کا ذکر کیا ہے۔

لندن یونیورسٹی کے فاضل پروفیسر پیٹر ہارڈی (Peter Hardy) نے بھی ایک مقالہ میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے جاندار متصوفانہ نظریات کا ذکر کیا ہے، انھوں نے لکھا ہے:

''شیخ احمد سرہندی کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انھوں نے ہندی اسلام کو متصوفانہ انتہا پسندی سے خود تصوف کے ذریعہ نجات دلائی، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نظریہ کی انھوں نے تردید کی اس کے منشا و مفہوم اور قدر و قیمت کا ان کو ذاتی طور پر عمیق ادراک تھا''۔

مستشرق ڈاکٹر بلیان (Johannes M.S. Balyon) نے ایک مکتوب ۱۱ میں لکھا تھا کہ پروفیسر عزیز احمد نے اطالوی رسالے "Rivistadeglistudi Orientali" کے شمارے دسمبر ۱۹۶۱ء میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ پر ایک مقالہ بعنوان

Religious and political Ideas of sheikh Ahmad Sirhndi (شیخ احمد سرہندی کے مذہبی اور سیاسی نظریات) قلم بند کیا ہے چنانچہ رسالے کے مدیر Dr. Bucciorelli سے یہ شمارہ حاصل کیا جواز راہ کرم انھوں نے ہدیتاً بھیج دیا، اس کے لیے ان کا ممنون ہوں مذکورہ بالا مقالہ رسالے کے ۲۵۹ سے ۲۷۰ تک ۱۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے، مقالے میں ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کی اشاعت، خواجہ باقی باللہ اور شیخ احمد سرہندی اور ان کا مختلف سلاسل سے استفادہ، اکبری الحاد اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی مجاہدانہ مساعی، ان کے سیاسی نظریات، جہانگیر اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ، وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے کارہائے نمایاں کا جائزہ لیا ہے اور آخر میں حضرت

مجدد کی تحریک اور اس کے اثرات پر ایک تنقیدی نظر ڈالی گئی۔
مقالہ نگار نے ابتدا میں لکھا ہے:

Sheikh yaqub Kashmiri had introduced him to the Kibruyaorder from which he Seems to have im bibod much of the "insototionist" Political philosophy of Sayyid Ali Hamadani"

ترجمہ: شیخ یعقوب کشمیری نے آپ کو سلسلہ کبرویہ سے متعارف کرایا تھا جس سے آپ نے سید علی ہمدانی کے سیاسی فلسفہ ''گستن'' سے بہت کچھ استفادہ کیا۔

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کبرویہ کے بزرگ سے کافی متاثر معلوم ہوتے ہیں فرینچ مستشرق آنجہانی دارین ہو (Marian Moley) کا خیال تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا نظریہ وحدۃ الشہود بھی سلسلہ کبرویہ کے بزرگ شیخ علاء الدولہ سمنانی سے مستفاد معلوم ہوتا ہے، ایک مکتوب میں موصوف سے اس خیال کا اظہار کیا تھا، انھوں نے لکھا تھا۔

But before all, I would like to sutdy the Mujaddid and his criticims for the Theories of Lbn Arabi it is for that purpose I began to study the kubra I Alauddaula Simnani who som 250 year carlier, like wies opposed the wahdat al wajud and whose My stical doctrine seems nery like that like that of the Mujaddid.

ترجمہ: لیکن سب سے پہلے میں حضرت مجدد اور ابن عربی پر ان کی تنقید کا

مطالعہ کرنا چاہتا ہوں، اس مقصد کے لیے سلسلہ کبرویہ کے علاء الدولہ سمنانی کا مطالعہ شروع کیا ہے، موصوف نے ۲۵۰ برس قبل اس طرح وحدۃ الوجود کی مخالفت کی تھی ان کا متصوفانہ مسلک بھی شیخ مجدد سے ملتا جلتا ہے، حضرت خواجہ باقی باللہ کے ملفوظات (کلمات طیبات) کے مطالعہ سے بھی ہوتا ہے کہ شیخ علاء الدولہ سمنانی نے ابن عربی کے تصور وحدۃ الوجود کی مخالفت کی تھی اور ایک دوسرا تصور پیش کیا تھا جس کو حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی اصطلاح وحدۃ الشہود کہا جاسکتا ہے، حاضرین میں سے کسی نے حضرت خواجہ باقی باللہ سے علاء الدولہ سمنانی کی مخالفت کے بارے میں سوال کیا، آپ نے اس کو جو جواب دیا بعینہ وہی بات شاہ ولی اللہ نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے تصور وحدۃ الشہود اور ابن عربی کے تصور وحدۃ الوجود کے بارے میں کہی ہے یعنی یہ کہ نزاع لفظی ہے حقیقتاً دونوں کی روح ایک ہی ہے۔

مقالہ نگار نے ایک جگہ حضرت مجدد کے جہانگیر پر اثرات کے متعلق لکھا ہے۔

It is difficult to estimate the exact direct and indirect influence of Shaekh Ahamad on Jahangir, but there is no doubt that the casy going emperor was by no means the pagan depicted by sir thomas Roe and other European chroriclers (p263)

ترجمہ: جہانگیر پر شیخ احمد کے براہ راست اور بالواسطہ اثرات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا تو مشکل ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ آرام طلب شہنشاہ ہرگز ہرگز وہ کافر وملحد نہ تھا، جس کا نقشا مس رو یا دوسرے یورپی واقعہ نگاروں نے کھینچا ہے، جہانگیر پر حضرت مجدد الف ثانی کے اثرات بالواسطہ تو اعیان مملکت کے ذریعہ

ہوئے جو حضرت مجدد کے عقیدت مند اور مرید تھے اور بلا واسطہ قید سے رہائی کے بعد ۱۰۲۹ھ/ ۱۶۱۹ء سے ۱۰۲۳ھ ۱۶۲۲ء کے اواخر تک تقریباً چار سال جہانگیر کی معیت میں رہنے سے ہوئے، بدرالدین سرہندی نے مجمع الاولیاء میں اثرات کا جائزہ لیا ہے، اس لیے مقالہ نگار کا یہ کہنا عجیب سا معلوم ہوتا ہے کہ ان اثرات کا اندازہ لگانا مشکل ہے، اس کے علاوہ اکبر بادشاہ کے بعد جہانگیر کے زمانے میں حالات کا بہتر ہونا، پھر شاہجہاں اور اورنگ زیب کے زمانے میں اسلامی نظریات کی اشاعت اور فروغ اور جب کہ یہ معلوم ہے کہ جہانگیر سے آپ کو خاص لگاؤ تھا، شاہ جہاں آپ کا عقیدت مند تھا اور اورنگ زیب آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم ۱۰۷۷ھ/۱۶۶۶ء کا مرید تھا اور آپ کے پوتے خواجہ سیف الدین نے اورنگ زیب کی باطنی اصلاح فرمائی تھی، یہ سب حقائق سامنے ہوتے ہوئے سلطنت مغلیہ پر خاندان مجددیہ کے اثرات سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔

مقالہ نگار نے حضرت مجدد کے نظریہ وحدۃ الشہود کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے مصطفیٰ صبری کے خیالات ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

It is not surprising therefore that shaikh Ahmad's dodrine of phenomeno logieal monism had such a revolutianang impaet on Indian Islam. It rediverted its verious streams orthodox liberal and esoteric into a single channel it relaxed the tension between thereligious law and my stical experience it resoloved the age hong conflict between the sufis and the ulena uniting tham in a single esyathesis at silidarity it is also

not sarprising that Shaikh Ahmad's in fluence on Islam outside India was also quite cosiderable.

ترجمہ: اس لیے یہ بات حیرت انگیز نہیں کہ شیخ احمد کے حسن واستدلال نظریہ توحید نے ہندی اسلام پر اتنا انقلاب انگیز اثر ڈالا اس نظریہ نے اس کی مختلف دھاروں یعنی اہل وسنت و جماعت آزاد خیال اور خود پر بھروسہ کرنے والوں کا دوبارہ رخ پھیر کر ایک دھارے میں شامل کر دیا، اس نے شریعت وطریقت کے درمیان تناؤ اور کھینچاؤ کو ہلکا کر دیا اس نے صوفیہ اور علما کے درمیان صدیوں پرانے جھگڑے کو نمٹا دیا اور دونوں کو اتحاد وعمل کے ایک نظام فلسفہ کے تحت متحد کر دیا، یہ بھی تعجب خیز نہیں کہ ہندوستان سے باہر بھی شیخ احمد کا اسلام پر بہت اثر تھا۔

حضرت مجدد کی زندگی ہی میں آپ کے مکتوبات اسلامی مما لک میں پھیل چکے تھے ۱۰۹۳ھ میں علما حجاز نے فتوے کے جواب میں آپ کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرزمین حجاز میں آپ کو کس قدر و منزلت کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔

پھر انیسویں صدی عیسوی میں مکتوبات شریفہ کی تینوں جلدوں کا عربی ترجمہ حجاز سے شائع ہوا، انقرہ (ترکی) سے بھی صالح اور جان نے ترکی ترجمہ شائع کرایا، حسین حلمی اشیق نے استانبول (ترکی) سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے مکتوبات ان کا عربی اور انگریزی ترجمہ نیز دوسرے بہت سے رسائل و کتب شائع کیے، راقم کے کرم فرما کر ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے کنڈا کے زمانہ قیام میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے مکتوبات کے منتخبات کا انگریزی ترجمہ کر کے ایڈیٹ کیا تھا جو کراچی سے شائع ہو چکا ہے، مختصر یہ ہے کہ مقالہ نگار کا یہ کہنا صحیح ہے کہ شیخ احمد کے اثرات ہندوستان اور پاکستان کے باہر بھی ہوئے۔

مقالہ نگار نے مقالے کے آخر میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس میں

بہت باتیں محل نظر ہیں، وہ لکھتے ہیں:

In a way he was the pioneer of what modern Islam is today in India subcotincnt

ترجمہ: اس طرح وہ اس جدید اسلام کے پہلے ہادی و رہنما تھے جو آج برصغیر ہندوستان میں موجود ہے۔

مقالہ نگار نے اس پیراگراف میں پاک و ہند کے اسلام کا جو نقشہ کھینچا ہے، اس میں کچھ طنز کی بو آتی ہے، جو سنجیدہ مقالے کی روح کے منافی ہے، مختصر طور پر اتنا عرض کروں گا کہ مقالہ نگار کی نظر میں مصائب ہیں یہ وہی خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے ایک فرد کو اپنی ذات کی عظمت کا احساس ہوتا ہے اور ساتھ ہی اپنے ملک اور قوم کی عظمت کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے۔

مقالہ نگار نے دریادلی اور رواداری کا ایسا عظیم ثبوت دیا کہ پورے مقالے میں اپنے وطن پاکستان کو بھی ہندوستان میں شامل کیا ہے اور کہیں اپنی انفرادیت کا اظہار نہیں کیا، یہ ہے وہ خطرناک رواداری و اختلاط جس کے خلاف حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے آواز بلند کی، بدعات سے نفرت اس بات کی دلیل نہیں کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ ''قیاس'' کے عملی طور پر مخالف تھے، غالباً مقالہ نگار کے ذہن میں ''قیاس'' کا اصطلاحی مفہوم واضح نہیں، ورنہ وہ یہ الزام نہ دیتے، حضرت مجدد علیہ الرحمہ قیاس کا دائرہ اتنا وسیع نہیں کرنا چاہتے تھے کہ قرآن و حدیث پر عمل پیرا تھے، ہر ہر مرحلے پر عقل سے کام بنانا اسلامی روح کے منافی ہے، اس کا اپنا ایک مقام اور دائرہ عمل ہے مگر وحی النبی ایک عظیم حقیقت ہے، علامہ اقبال نے اس حقیقت کو یہ واضح کیا ہے۔

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں
راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کار حیات

مقالہ نگار نے آخری میں علامہ اقبال، سر سید احمد خاں اور ابوالکلام آزاد کو حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اثرات کے تحت شمار کیا ہے علامہ اقبال پر حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے جو اثرات ہوئے اس کے لیے مقالات مطبوعہ اقبال دیباچوں کے مطالعہ کیے جائیں ابوالکلام آزاد نے ''تذکرے'' میں لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ پر ایک طویل مقالہ قلم بند کیا تھا، وہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سے کافی متاثر نظر آتے ہیں، پر اسی طرح ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود نے بھی تقریباً ۲۰۳ سے ۲۱۵ تک اپنی کتاب شہزادہ دوم میں لکھا ہے۔

والد امام مجدد الف ثانی اور محبت آل رسول:

حضرت امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، اس فقیر کے والد بزرگوار جو ظاہری اور باطنی علوم کے عالم تھے، اکثر اوقات اہل بیت سے محبت رکھنے کی ترغیب دیتے رہتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس محبت کو سلامتی خاتمہ میں بڑا دخل ہے، لہٰذا اس کا بہت خیال رکھنا چاہئے، جب ان کا معاملہ آخر وقت کو پہنچا اور اس کا شعور واحساس گم رہ گیا تو اس وقت ان کو ان کی بات یاد دلائی اور اس محبت کے متعلق استفسار کیا۔

آپ نے اس بے خودی کے عالم میں فرمایا ''میں اہل بیت کی محبت میں غرق ہوں'' اس وقت خدائے عزوجل کا شکر بجالایا۔[1]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور محبت آل رسول:

اہل بیت اطہار سے محبت نہ رکھنا خروج یعنی خارجی بننا ہے اور صحابہ سے

---

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی دفتر دوم حصہ اول مکتوب نمبر ۳۶ ص ۱۰۲۳۔

بے زاری رفض ہے اور تمام اصحاب کی تعظیم و توقیر کے ساتھ ساتھ اہل بیت سے محبت رکھنا سنیت ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ گمان کیسے کیا جاتا ہے کہ اہل سنت کو اہل بیت سے محبت نہیں جبکہ یہ محبت ان بزرگوں کے نزدیک جزو ایمان ہے اور خاتمہ کی سلامتی اس محبت کے راسخ ہونے پر موقوف ہے، اہل بیت کی محبت تو اہل سنت کا سرمایہ ہے مگر مخالفین اس حقیقت سے غافل ہیں اور اس اہل بیت کی محبت متوسط سے جاہل ہیں۔

شریعت اور طریقت:

متصوفہ میں ایک غلط خیال یہ بھی پیدا ہوگیا تھا کہ شریعت اور طریقت جداگانہ حقیقتیں ہیں، اس میں کچھ تصور توحید وجودی سے پیدا شدہ غلط فہمیوں کو بھی دخل تھا اس لیے حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات کے ذریعہ اس فاش غلطی کا ازالہ کیا اور یہ واضح کیا کہ شریعت اور طریقت ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں چنانچہ سید احمد قادری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''شریعت و طریقت ایک دوسرے کے عین ہیں، حقیقت میں ایک دوسرے سے علاحدہ نہیں ہیں، ان میں صرف اجمال وتفصیل، استدلال و کشف، غیبت و شہادت اور تعمل اور عدم تعمل کا فرق ہے، وہ احکام وعلوم جو شریعت غرا کی روشنی میں ظاہر اور معلوم ہوگئے ہیں، حقیقت حق الیقین کے تحقق کے بعد یہی احکام و علوم بعینہا مفصل طور پر منکشف ہوتے ہیں، غیبت سے شہادت میں آتے ہیں، ارادہ حصول اور فریب عمل درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور حقیقت حق الیقین تک پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ علوم و معارف شرعیہ سے اس مقام کے علوم و معارف مطابقت رکھتے ہیں، اگر ان دونوں میں برابر بھی فرق ہے، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ حقیقت

الحقائق تک ابھی رسائی نہیں ہوئی ہے، اس کے برخلاف مشائخ طریقت میں سے جس کسی سے بھی کوئی عمل وعلم مخالف شریعت ظہور پذیر ہوا ہے وہ حالات سکر پر مبنی ہے اور سکر صرف اثنائے راہ میں ہوتا ہے، منتھیان النہایۃ کوتو صحو ہی صحو ہے۔

ملا حاجی احمد لاہوری کوتحریر فرماتے ہیں:

''پس شریعت تمام دینی اور دنیوی سعادت کی تکفل ہوئی اور کوئی ایسی بات باقی نہیں رہی جس کی ضرورت شریعت کے مقابلہ میں پڑے، جزو ثالث یعنی اخلاص کی تکمیل کے لیے طریقت وحقیقت ہے، جن سے متصوفہ ممتاز ہوئے ہیں اور جو شریعت کے خادم ہیں، پس ان دونوں کے حاصل کرنے کا مقصد تکمیل شریعت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

ایک مکتوب میں شیخ محمد یوسف کواس طرح تلقین فرماتے ہیں:

''اس طرح سے زندگی گزاریں کہ اس وراثت کے حقدار ہوجائیں، اپنے ظاہر کو ظاہر شریعت سے اور باطن کو باطن شریعت سے جو حقیقت سے عبارت ہے، آراستہ و پیراستہ کریں، کیونکہ حقیقت وطریقت حقیقت شریعت اور ایسی حقیقت کی طریقت سے عبارت ہیں، نہ کہ شریعت دوسری چیز ہے اور طریقت حقیقت دوسری چیزیں، یہ تو الحادو زندقہ ہے''۔

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''شریعت کے تین حصے ہیں، علم وعمل واخلاص، جب تک یہ تینوں چیزیں متحقق نہیں ہوجاتیں شریعت متحقق نہیں ہوسکتی، اور جب شریعت متحقق ہوگئی تو پھر حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضا حاصل ہوگئی جو عام دینی و دنیوی سعادت سے بڑھ چڑھ کر ہے'' [۱]

---

[۱] حضرت مجدد الف ثانی حالات وافکار وخدمات ۹۸،۹۹۔

نکاح:

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو جب اکبرآباد میں ایک عرصہ گزر گیا تو آپ کے والد ماجد حضرت عبدالاحد نے شاہانہ آپ کو لینے اکبرآباد تشریف لے گئے، سرہند جاتے ہوئے واپسی میں جب تھانیسر پہنچے تو وہاں کے رئیس شیخ سلطان نے جو اکبر کے خاص مقربین میں تھے، اپنی صاحبزادی کے ساتھ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا عقد کرنا چاہا، آپ نے قبول فرمایا اور نکاح ہوگیا، اس کے بعد آپ والد ماجد کے ہمراہ سرہند تشریف لے گئے۔[1]

مجدد کس کو کہتے ہیں؟:

مجدد اسم فاعل کا صیغہ ہے یعنی پرانے کو نیا کرنے والا، حدیث شریف میں مجدد کا بیان اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأسِ كُلِّ مَائَةِ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا[2]

''اللہ تعالیٰ اس امت کے واسطے ہر صدی کے شروع میں کسی کو بھیجے گا تاکہ وہ امت کے واسطے ان کے دین کی تجدید کرے'' مشکوٰۃ شریف میں اس کی روایت ابوداؤد سے ہے۔

ملا علی قاری نے مشکوٰۃ شریف کی شرح میں لکھا ہے، طبرانی نے اسکی حدیث کی روایت صحیح مسند سے اوسط میں کی ہے حاکم عالم نے بھی اس حدیث کی روایت ثقات سے کی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے، ملا علی قاری نے اس حدیث شریف کے بیان میں ابن عباس کا یہ قول لکھا ہے کہ ایسا کوئی سال نہ گزرے گا جس میں کسی بدعت کو رائج اور کسی سنت کو ضائع نہ کریں، یہاں تک کہ سنتیں ختم اور

---

[1] حضرت مجدد الف ثانی حیات وافکار وخدمات ۲۷۔ [2] مشکوٰۃ شریف کتاب العلم فصل دوم۔

بدعتیں رائج ہو جائیں گی۔[1]

مشکوٰۃ شریف میں حدیث فوق الذکر کے بعد یہ حدیث لکھی ہے۔

عَنْ اِبْرَاهِیْمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْعُذْرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَحْمَلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ کُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهٗ یَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِیْفَ الغَالِّیْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِیْنَ وَتَاوِیْلَ الْجَاهِلِیْنَ. رَوَاهُ اَلْبَیْهَقِیُ فِیْ کِتَابِ الْمَدْخَلِ مُرْسَلاً

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس علم کو (جو قرآن و حدیث کا علم ہے) عادل (اور ثقہ افراد) اپنے اسلاف (کے جانشینوں) سے حاصل کر کے غلو کرنے والوں کی تحریفات، باطل پرستوں کے غلط انتسابات اور جاہلوں کی تاویلات کا انتفا کریں گے''۔

اس حدیث شریف میں تین قسم کے افراد کا بیان ہے جن کے مفاسد کا ازالہ حق پرست اور عادل اشخاص کریں گے۔

(۱) غلو کرنے والوں کی تحریفات کا۔

(۲) باطلوں کے انتسابات کا۔

(۳) جاہلوں کی تاویلات کا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے رسالہ در دفع اعتراضات کے آخر میں لکھا ہے:

''پر ظاہر است کہ از وجود ذات شریف حضرت ایشان شبہات ملاحدہ و روافض و غالیان توحید و مبتدعان طرائق و معتقدان شرک خفی و جلی بالکلیہ برطرف شد و تابعان ایشان بفضلہٖ تعالیٰ در اتباع سنت سرگرم و در اجتناب از بدعت پیش قدم''۔[2]

---

[1] مرقات جلد اول صفحہ ۲۴۸۔ [2] مجموعہ فتاویٰ عزیزی صفحہ ۲۴۲۔

ترجمہ: اچھی طرح ظاہر ہے کہ حضرت مجدد کی ذات شریف کی وجہ سے ملحدوں، رافضیوں، توحید میں غلو کرنے والوں اور سلاسل کے مبتدعین اور شرک خفی وجلی کے معتقدین کے شبہات بالکل دور ہوگئے اور اللہ کے فضل سے آپ کی پیروی کرنے والے سنت مطہرہ کی پیروی میں خوب ساعی اور بدعت سے اپنے کو بچانے میں پیش قدم ہیں۔

شاہ عبدالعزیز نے بیہقی کی روایت کردہ حدیث کے مفہوم کا ذکر کیا ہے کہ حضرت مجدد اس پر عامل تھے، میں مختصر طور پر تینوں قسم کے افراد اور حضرت مجدد کے مساعی کا ذکر کرتا ہوں۔

غلو کرنے والوں کی تحریفات شیعان علی اور ان کی تحریفات پر صادق آتا ہے حضرت مجدد نے لکھا ہے ''عجب دین ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کو گالی دینا اس کا بڑا جز ہے'' اور اس مکتوب میں لکھا ہے ''شاید اس جماعت کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین وشریعت کا ابطال ہے اور وہ اہل بیت کی محبت کے نام پر اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے ہیں کاش ان لوگوں نے حضرت علی اور ان کے رفقا ہی کو بے داغ چھوڑ دیا ہوتا اور ان حضرات کو تقیہ کرنے والوں میں شمار نہ کرتے جو مکر اور نفاق کرنے والوں کی علامت ہے اور چند سطر آپ نے لکھا ہے، یہ سب افراط محبت کے پھول ہیں جو دائرہ اسلام سے نکالنے کے لیے کافی ہیں۔[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں سے پہلے اس جماعت نے حضرت فاطمہ اور حضرت علی کا اور پھر حضرت حسنین اور اہل بیت اطہار کا سہارا لے کر اپنے لیے ہر شبہ میں امتیاز پیدا کیا اور اسلام کی ہر رَوِش کو بدلا، اللہ تعالیٰ سورہ حج ۷۸ میں فرماتا ہے ''هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا'' تمہارا نام اللہ نے اگلی کتابوں اور اس کتاب میں مسلمین رکھا (اس جماعت نے اس نام کو ٹھکرا دیا اور

---

[1] مکتوب ۲۶ دفتر دوم۔

اپنے کو مومن کے نام سے پکارنے لگے) انھوں نے اذان کے لیے اپنی مسجد الگ کی اور دعویٰ کردیا کہ قرآن مجید میں تحریف ہوئی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ سورہ حجر میں فرمارہا ہے ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ آیت۹، بےشک یہ قرآن ہم نے اتارا اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں، اس جماعت نے حرمت نبوی کے ضائع کرنے کی پوری کوشش کی، حضرت عائشہ کی برأت سے انکار اوران پر اور حضرت حفصہ، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور تمام اکابر صحابہ پر طعن ولعن اور سب و شتم ہی ان کی عبادت ہے۔

دو مذہب کہ دشنام طاعت باشد
مذہب معلوم اہل مذہب معلوم

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے جان جہاں کو اہل سنت کے عقائد لکھ کر تحریر فرمایاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد زندہ رہنے والا بہت اختلاف دیکھے گا، تم میری سنت اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو نئی باتوں سے اپنے کو بچاؤ کیونکہ نئی بات گمراہی ہے، جو بھی نئی بات پیدا ہو وہ رد ہے، لہٰذا جو مذہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کے بعد پیدا ہوا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے وہ رد ہے، آپ اس نعمت کا شکر بجالائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو فرقۂ ناجیہ میں شامل کیا، یہ جماعت اہل سنت ہے اوران میں سے نہ کیا جو اللہ کی خاص صفات میں بندہ کو شامل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں جو دنیوی اور اخروی نعمتوں کا سرمایہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کی بھی نفی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو ان کے ردفرقوں سے بھی الگ رکھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے برسر پیکار اور اکابرین سے بدظن ہیں، ان کو آپس میں ایک دوسرے کا

دشمن سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں بغض وعناد تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے۔

''رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ'' کہ وہ آپس میں محبت کرنے والے ہیں یہ دونوں فرقے اللہ تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو سیدھی راہ پر چلائے۔[۱]

دوفرقوں سے مراد رافضی اور خارجی ہیں، اول الذکر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو اور آخر الذکر حضرت علی کو ہدف ملامت ومورد لعن وطعن بناتے ہیں، **قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ**.

حضرت مجدد نے باطلوں کے غلط انتسابات اور جاہلوں کی تاویلات کا جس طرح رد کیا ہے اور اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا مختصر بیان عنقریب کیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس حدیث کا اتم مصداق بنایا اور اس وقت کے اکابر علما نے کھلے دل سے اس کا اعتراف کیا ہے، خواجہ محمد ہاشم کشمی اور شیخ بدرالدین نے اپنی تالیف میں تفصیل سے اس کا بیان کیا ہے۔

خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات کی فصل ششم میں علامہ روزگار مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی کے متعلق لکھا ہے کہ ''مجدد الف ثانی'' کا خطاب انھوں نے آپ کے واسطے تجویز کیا ہے۔

''اولیائے حق'' کے بیان میں صحیح مسلم کی حدیث گزرچکی ہے، اس میں ہے کہ اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں اور پھر اہل زمین میں اس کی قبولیت لکھ دی جاتی ہے، مولانا عبدالحکیم نے جو خطاب آپ کے واسطے تجویز کیا، قبولیت کے زیر اثر کیا، لہٰذا تمام عالم میں اس کی شہرت ہوئی اور ہر کہ ومہ بلکہ آپ معاند تک

---

[۱] مکتوب ۶۷ دفتر دوم۔

آپ کو مجدد کے نام سے یاد کرتے اور لکھتے ہیں۔

ایں آں سعادتیست کہ حسرت برد براں
جو پائے تاج قیصر و ملک سکندری

اس سلسلہ میں آپ نے اپنے فرزند کلاں حضرت محمد صادق کو لکھا ہے:

''اے فرزند یہ وہ وقت ہے کہ زمان سابق میں ایسے ظلمت بھرے وقت میں انبیا اولوالعزم کا ظہور ہوا کرتا تھا اور وہ نئی شریعت لایا کرتے تھے، چونکہ امت خیرالامم ہے اور اس کے نبی خاتم النبین ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے علما کو بنی اسرائیل کے انبیا کی جگہ دی ہے، ہر صدی کے شروع میں کسی عالم کا انتخاب ہوتا ہے تاکہ وہ دین کی تجدید کرے اور شریعت میں جان ڈالے (یعنی اس میں قوت آئے اور اس کے احکام نافذ ہوں) پہلی امتوں میں ایک ہزار سال گزرنے کے بعد اولوالعزم پیغمبر کی بعثت ہوا کرتی تھی، اس امت میں ایک ہزار سال گزرنے پر ایسے عالم کی ضرورت ہے جو معرفت تامہ رکھتا ہو (شریعت کے احکام سے اور طریقت کے اسرار اور حقائق کے رموز سے پوری طرح باخبر ہو)

فیض روح القدس اور باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آں چہ مسیحا می کرد

ترجمہ: یعنی اگر مولیٰ جل شانہ کا لطف و کرم ساتھ دے تو جو کچھ مسیحا نے کیا ہے اور بھی کر دکھائیں۔[۱]

حدیث صلہ:

سرشار بادۂ احمدی حضرت خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث صلہ کے متعلق جو واقعہ لکھا ہے اسی کا خلاصہ درج ذیل ہے، ایک مرتبہ حضرت مجدد کو

[۱] مکتوب دفتر اول ۲۳۴۔

سردار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت ملی کہ تمہاری شفاعت سے قیامت کے دن کتنے ہزار افراد بخشے جائیں گے، اس بشارت ملنے پر آپ نے کھانا پکوا کر لوگوں کو کھلایا اور تَحدِیثاً بِنِعْمَةِ اللّٰهِ اس بشارت کو بیان کیا میں اس وقت حاضر تھا، میں نے آپ سے عرض کی آپ نے دوسرے دفتر کے چھٹے مکتوب میں لکھا ہے۔

آنچہ مقصود از آفرینش خودمی دانستم معلوم شد بہ حصول پیوست ومسئول ہزار سالہ بہ اجازت قرین گشت۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَنِیْ صِلَةً بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ وَمُصْلِحاً بَیْنَ الفِئَتَیْنِ.

ترجمہ: میں اپنی پیدائش کا جو مقصد سمجھتا ہوں وہ پورا ہوگیا ہے اور ایک ہزار سال کی طلب مقرون اجابت ہوئی حمد اللہ کے لیے ہے کہ اس نے مجھ کو دو سمندروں کو جوڑنے والا اور دو دو جماعتوں میں اصلاح کرنے والا بنایا۔

آپ کی اس تحریر کے متعلق ایک فاضل عزیز سے میری بات ہوئی اور ہم دونوں نے علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب جمع الجمع کی اوراق گردانی کی اور ہم کو یہ حدیث دستیاب ہوئی ''یَکُوْنُ فِی اُمَّتِیْ رَجُلٌ یُقَالُ لَهٗ صِلَةٌ یَّدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَتِهٖ کَذَا وَکَذَا.

ترجمہ: میری امت میں ایک شخص ہوگا اور اس کو صلہ کہا جائے گا، اس کی شفاعت سے اتنے اتنے جنت میں داخل ہوں گے۔

میں نے اس فاضل عزیز سے کہا کہ اس حدیث شریف سے آپ کی طرف اشارہ نہیں ہورہا ہے، اس نے کہا اشارہ کا احتمال ہے۔[1]

اس حدیث شریف کو محمد بن سعد نے اپنی طبقات میں لکھا ہے، اس کی

---

[1] زبدۃ المقامات صفحہ ۲۸۴، ۲۸۵۔

روایت اس طرح ہے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ یَزِیْدَ بْنَ جَابِرٍ اَنَّہٗ بَلَغَہٗ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ رَجُلٌ یُقَالُ لَہٗ صِلَۃٌ یَدْخُلُ بِشَفَاعَتِہٖ الْجَنَّۃَ کَذَا وَ کَذَا۔[۱]

(اس حدیث کو حلیۃ الاولیاء سے علامہ ابن حجر عسقلانی نے الاصابہ کی تیسری جلد صفحہ ۵۲۵ میں اور علامہ علی المتقی نے کنز العمال کی جلد ۷ صفحہ ۱۳۱ میں نقل کیا ہے، حضرت مجدد پر جو کشف ہوا اس کی تائید حدیث شریف سے ہوئی ہے، اب چاہے وہ حدیث ضعیف ہی کیوں نہ ہو، از اعظم سعادات ہے)

فرق صرف بِشَفَاعَتِہٖ اور الْجَنَّۃَ کی تقدیم و تاخیر کا ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز نے اپنے رسالہ ''در دفع اعتراضات'' کے اخیر میں ایک علمی مضمون لکھا ہے میں بہ صورت اختصار اس کو لکھتا ہوں کہ اس بحث سے اس کا تعلق ہے فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اکتساب کمالات کے انتساب کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی امت کا ولی کسی عرض کو عروض میں سے یا کسی صفت اضافی کو صفات اضافیہ میں سے آپ کی امت تک پہنچانے کا واسطہ بنا ہے، وہ اوروں کو اپنی باطنی تہذیب سے فائدہ پہنچا رہا ہے اور باطنی تہذیب نام ہے تزکیۂ لطائف وحصول ملکہ یادداشت وحضور دائمی و نسبت پیر گی کا۔

یہ بات مثل آفتاب کے روشن ہے کہ یہ کام حضرت مجدد نے خوب کیا ہے بخارا، سمرقند، بلخ، بدخشان، قندھار، کابل، غزنی، تاشکند، بارکند، شہر سبز، حصار شادماں، اہل اسلام کے گڑھ ہیں وہاں نہ یہود ہیں نہ نصاریٰ نہ روافض ان مقامات میں صرف آپ ہی کا طریقہ رائج ہے، شاید ہی کسی دوسرے طریقہ سے کوئی وابستہ ہو۔

---

[۱] طبقات کبری جلد ۷ صفحہ ۱۳۴۔

اور یہ بات بھی خوب ظاہر ہے کہ ملحدوں، رافضیوں، غالی توحیدیوں، اہل طرق کے بدعتیوں اور شرک خفی وجلی کے معتقدوں کے تمام شبہات آپ کی مبارک ذات کی برکت سے بالکل دور ہو گئے اور آپ کے متبعین اللہ کے فضل سے اتباع سنت میں سرگرم اور اجتناب از بدعت میں پیش قدم ہیں۔

آپ کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دعویٰ کرے کہ مجھ کو اس حکیم نے نائب بنا کر بھیجا ہے اور وہ لوگوں کا علاج کرے اور لوگوں کو فائدہ ہو اب اگر حضرت مجدد کے متعلق حکیم مطلق جل شانہ کی سند درکار ہو تو وہ بھی موجود ہے، جمع الجوامع میں سیوطی نے یہ حدیث لکھی ہے، (شاہ عبدالعزیز نے فوق الذکر حدیث نقل کی ہے) اور حضرت مجدد نے تحریر فرمایا ہے "**الحمد للّٰہ الذی جعلنی صلة بین البحرین و مصلحا بین الفئتین** اور آپ کو بشارت ملی کہ قیامت کے دن تمہاری شفاعت سے ہزاروں افراد بخشے جائیں گے، آپ کی اس تحریر پر اور آپ کے مبشر ہونے پر حدیث صلہ پوری طرح صادق آ رہی ہے، ہزار سال کے دورے میں صلہ کا لقب کسی دوسرے شخص کو نہیں ملا ہے اور آپکے اس استنباط کی تائید نقلیات اور کشفیات سے بھی ہو رہی ہے، حضرت مجدد نے اللہ کا شکر ادا کیا ہے، شکر کا قبول کرنے والا وہی ہے وہ فرماتا ہے "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ" (اگر حق مانوں گے تو اور دوں گا تم کو) اور وعدہ الٰہی کے بموجب آپ کی دعا جو شکر الٰہی ہے مقبول ہے از قبول کسان دیگر کارے نیست۔

اِذَ رَضِيَتْ عَنِّىْ كِرَامٌ عَشِيَّتِىْ
فَلَا زَالَ غَضبَاناً عَلَىَّ لِيَامُهَا

ترجمہ: اگر مجھ سے کرم والے بزرگ لوگ راضی ہو گئے (میرا کام بن گیا اب چاہے) مجھ سے لیام (یعنی رذیل لوگ) ہمیشہ ناراض ہی رہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے اپنے اسی شعر پہ تمام کیا آپ نے یہ شعر لکھ کر

اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اہل فضل اور اصحاب کمال حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے مداح ہیں، جاہل اور گم کردہ راہ جو چاہیں سو کہیں۔ رحمہ اللہ و رضی عنہ[1]

اے ساقی

تین سو سال سے ہیں ہند کے مۓ خانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

(علامہ اقبال)

حضرت مجدد الف ثانی سے علامہ اقبال کی عقیدت و محبت:

ڈاکٹر اقبال نے بھی سلسلہ قادریہ میں اپنی بیعت اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سے اپنی عقیدت و محبت کا اظہار اپنے مکتوب محررہ ۱۳ر نومبر ۱۹۱۷ء میں کیا ہے جو موصوف نے سید سلیمان ندوی (م ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء) کے نام لکھا تھا، فرماتے ہیں:

خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے، مگر افسوس کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے، یہی حال سلسلہ قادریہ کا ہے جس میں خود بیعت رکھتا ہو جہاں آنکہ حضرت محی الدین (ابن عربی) کا مقصود اسلامی تصوف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا۔

اہل اللہ سے تعلق ہی کا فیضان تھا کہ اقبال نے خود دارانہ زندگی بسر کی، نہ اہل دل کی چوکھٹ پر خود جھکے اور نہ اپنی قوم کو جھکایا اور ہر منزل پر اہل اللہ سے تعلق رکھنے کی تلقین کی چنانچہ ضرب کلیم میں ایک جگہ لکھتے ہیں۔

چاہئے خانۂ دل کی کوئی منزل خالی
شاید آجائے کہیں سے کوئی مہمان عزیز

---

[1] حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ۱۰۵، ۱۱۰۔

وہ نوجوان قوم کو ''مہمان عزیز'' کی تلاش میں سرگرم رکھنا چاہتے ہیں، اسی لیے ضرب کلیم میں اور ایک جگہ کہا ہے۔

شیخ مکتب کے طریقوں سے کشاد دل کہاں
کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

چراغ دل کو فروزاں کرنے کے لیے تو کسی ضیا بار قلب ہی کی ضرورت ہے جو اپنی ضیاباریوں سے قلب کو منور کر دے اور زندگی، زندگی بن جائے اسی لیے اپنے عزیز فرزند جاوید کو نصیحت فرماتے ہیں۔

دربار شہنشہی سے خوشتر — مردان خدا کا آستانہ
جس فقر کی اصل ہے حجازی — ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر
اللہ کی شان بے نیازی — اس فقر سے آدمی میں پیدا

ڈاکٹر اقبال خود بھی ایسے فقر کی تلاش میں تھے، جس کی اصل ''حجازی'' ہو، وہ عجمیت کے نہیں حجازیت کے عاشق تھے، اور جہاں جہاں ان کو حجازیت کے آثار نظر آتے تھے وہ بسرو چشم اور بصد شوق و ذوق اس طرف جاتے تھے، ان کے نزدیک عجمیت سکونی (STATIC) ہے اور حجازیت حرکی (DYNAMIC) ہے سلسلہ نقشبندیہ سے اقبال کا تعلق خاطر و حرکیت پسند ہی کی وجہ سے ہے، ان کے نزدیک یہ سلسلہ حرکت اور جائیت پر مبنی ہے، چنانچہ عبدالقادر بیدل (م۱۱۳۳ھ) کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال نے سلاسل طریقت پر بھی اجمالی روشنی ڈالی ہے فرماتے ہیں۔

بیدل کے کلام میں خصوصیت کے ساتھ حرکت پر زور ہے، نقشبندی سلسلہ اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سے بیدل کی عقیدت کی بنیاد یہی ہے، نقشبندی مسلک حرکت اور اجائیت پر مبنی ہے مگر چشتی مسلک میں قنوطیت اور سکون کی جھلک نظر آتی ہے، اسی وجہ سے چشتیہ سلسلے کا حلقہ ارادت زیادہ تر ہندوستان تک محدود

ہے، مگر ہندوستان سے باہر افغانستان، بخارا، ترکی وغیرہ میں نقشبندی مسلک کا زور ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کی ذات گرامی اقبال کے دعوت پر شاہد ہے عادل کہ خاک ہند سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ جیسا انقلاب انگیز صوفی پیدا نہیں ہوا، آپ نے عجمیت کے رنگ میں رنگی ہوئی فضا کو حجازی رنگ میں رنگا، مسلم کافرنما کو مسلم بنایا، حضرت مجدد کی اسی فکری اور عملی انقلاب انگیز اور حرکت پسندی نے اقبال کو اپنی طرف متوجہ کیا اور وہ کشا کشا آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے۔

ع رحمت حق بہانہ می جوید

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تعلیمات اور عملی و علمی کارناموں کے مطالعہ سے پہلے اقبال اس طرف متوجہ نہ تھے، راقم کے کرم فرما اور خاندان مجددیہ کے چشم و چراغ مخدومی حضرت مولانا محمد ہاشم جان صاحب سرہندی علیہ الرحمہ نے اقبال سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر فرمایا، جس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ چند احباب کے ساتھ سرہند شریف جاتے ہوئے لاہور پہنچا تو اقبال سے ملاقات کو دل چاہا، چنانچہ عصر کے وقت ملاقات کے لیے گیا، اقبال کو جب یہ معلوم ہوا کہ مجھ کو خاندان مجددیہ سے نسبی تعلق ہے تو انھوں نے بڑی عزت افزائی فرمائی اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ سے اپنی عقیدت کی ابتدا کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا۔

اقبال نے کہا کہ ایک مرتبہ میں حافظ عبدالحلیم کے یہاں چند احباب کے ساتھ گیا ہوا تھا، واپسی کے وقت راستے میں سرہند پڑا احباب حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے مزار مبارک پر فاتحہ خوانی کے لیے گئے، مجبوراً مجھے بھی جانا پڑا، سب لوگ مراقب ہوگئے میں بیٹھا رہا اچانک مجھ پر رقت طاری ہوگئی، لرزنے لگا تھوڑی دیر بعد بیہوش ہوگیا، جب لوگ مراقبے سے فارغ ہوئے تو مجھ پر پانی چھڑکا اور میں

ہوش میں آیا، اس روحانی تجربے کے بعد مجھ کو معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء فیضان الٰہی سے خالی نہیں۔

حضرت مولانا محمد ہاشم جان فرماتے ہیں کہ اقبال یہ واقعہ بیان کرتے اور روتے جاتے ان کا دل محبت سے معمور اور آنکھیں اشکبار تھیں۔

گاہ بحیلہ می برد گاہ بزدر می کشد
عشق کی ابتدا عجب عشق کی انتہا عجب

سید نذیر نیازی کے نام اقبال نے جو مکاتیب ارسال فرمائے ہیں، ان میں بھی سرہند شریف کی حاضری کا ذکر ہے، لیکن غالباً یہ حاضری عقیدت مندی اور محبت کے بعد ہوئی چنانچہ اپنے محررہ ۲۹ جون ۱۹۳۴ء میں تحریر فرماتے ہیں۔

آج شام کی گاڑی میں سرہند شریف جارہا ہوں، چند روز ہوئے صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی، خواب میں کسی نے مندرجہ ذیل پیغام دیا۔

ہم نے جو خواب تمہارے شکیب ارسلان کے متعلق دیکھا ہے وہ سرہند بھیج دیا ہے ہمیں یقین ہے کہ خدائے تعالیٰ تم پر بہت بڑا فضل کرنے والا ہے۔

پیغام دینے والا معلوم نہ ہوسکا کہ کون ہے اس خواب کی بناپر وہاں کی حاضری ضروری ہے اس کے علاوہ جاوید جب پیدا ہوا تھا، تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب وہ ذرا بڑا ہوگا اسے حضرت کے مزار پر لے جاؤں گا، وہ بھی ساتھ جائے گا تاکہ یہ عہد بھی پورا ہوجائے، چودھری محمد حسین منشی، طاہرالدین اور علی بخش ہمراہ ہوں گے، اتوار کی صبح کو لاہور واپس پہنچیں گے، ۳۰ر جون ۱۹۳۴ء کے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں، میں ہفتہ کی شام کو سرہند سے واپس آ گیا تھا، نہایت عمدہ اور پر فضا جگہ ہے، انشاء اللہ پھر بھی جاؤں گا پھر ۳ر جولائی ۱۹۳۴ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں۔

سرہند خوب جگہ ہے، مزار نے میرے دل پر بڑا اثر کیا ہے بڑی پاکیزہ

جگہ ہے، پانی اس کا سرد و شریں ہے، شہر کے کھنڈرات دیکھ کر مجھے مصر کا قدیم شہر قسطاط یاد آ گیا، جس کی بناء حضرت عمر بن العاص نے رکھی تھی، اگر سرہند کی کھدائی ہو تو معلوم نہیں کہ اس زمانے کی تہذیب وتمدن کے کیا انکشافات ہوں، یہ شہر فرخ میر کے زمانے میں بحال تھا اور موجودہ لاہور سے آبادی و وسعت کے لحاظ سے دوگنا تھا۔

مندرجہ بالا مکاتیب نقل کرنے کے بعد سید نذیر نیازی نے مندرجہ ذیل توضیح حاشیہ لکھا ہے۔

حضرت علامہ سرہند سے بڑا گہرا اثر لے کر آئے تھے اور انھیں اس بات کا بڑا رنج تھا کہ مسلمان اپنی تاریخ وتمدن سے کس درجہ بے خبر ہیں بلکہ اس سے غفلت برت رہے ہیں۔

راقم الحروف کے دل پر ایک تو اس اسلوب کا بڑا اثر تھا جس میں حضرت علامہ نے سرہند کا نقشہ کھینچا تھا .... یہ اسلوب کیسا برجستہ اور تصنع سے پاک تھا، صاف وسادہ اور شہر کے ان احوال پر جیسا کہ مشاہدے سے ان کا انکشاف ہوا یعنی حقیقت پر مبنی .... ثانیاً ان کا ذہن بعض سکھ گروؤں کے اس نقل کی طرف منتقل ہو گیا جس کو سکھوں نے مکتوبات کے حوالے سے کسی نہ کسی طرح حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اثر کا نتیجہ ٹھہرایا ہے اور جن کی بنا پر یہ ان کا مذہبی فریضہ بن گیا تھا کہ آنے جانے والا سکھ سرہند کی ایک ایک اینٹ دریا میں ڈال دے، اسلام اور مسلمانوں کے اس ثقافتی مرکز کی تباہی گویا سکھوں کے ہاتھ سے ہوئی اور پھر ابدالی کی غلط بخشی ملاحظہ ہو کہ ۱۷۶۷ء میں سکھوں کا زور ٹوٹنے کے باوجود سرہند کی حکومت ایک سکھ سردار کے سپرد کر دی۔

مولانا عبدالمجید سالک نے بھی ''سفر سرہند'' کے عنوان کے تحت اقبال کے سرہند شریف جانے اور ان کے قلبی تاثرات کو قلم بند کیا ہے، پروفیسر یوسف سلیم

چشتی نے بھی سفر سرہند کا ضمنی طور پر ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے۔

۱۹۳۵ء میں ان کو حضرت مجددالف ثانی علیہ الرحمہ کے مزار پر حاضری کی سعادت نصیب ہوئی، اور مزار مبارک پر مراقب ہوکر جو روحانی فیض ان کو حاصل ہوا اور جو کیفیت ان پر طاری ہوئی اس کا کچھ تذکرہ انھوں نے مجھ سے بھی کیا تھا۔

پروفیسر موصوف کو خط لکھا گیا کہ اقبال کے تاثرات کے متعلق مزید استفسار کیا تھا، جس کے جواب میں انھوں نے تحریر فرمایا۔

تذکرے کی تفاصیل میرے ذہن میں بکلیہ محفوظ نہیں ہیں، لیکن اس قدر یاد ہے کہ انھوں نے یہ کہا تھا کہ سجادہ نشین خلیفہ محمد صادق مرحوم نے میرے لیے مزار مبارک پر تخلیہ کرایا تھا، میں اس گھنٹے تک مراقب رہا اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی روح میری طرف محبت و آمیز رنگ میں متوجہ رہی، مجھے ماحول کا احساس نہیں رہا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور حضرت مجھ سے فرمارہے ہیں کہ تمہاری دینی خدمات سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول ہوگئی، آنحضور کی تم پر خاص نگاہ کرم ہے، میرے قلب میں سوز وگداز کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی جس کا اظہار لفظوں میں نہیں ہوسکتا اور مجھے یہ اندازہ ہوا کہ خاصان خدا کا فیض بعد وفات بھی جاری رہتا ہے اور اندازہ ہوا کہ حضور انور کے روضہ مبارک سے کس قدر فیضان جاری ہے، رقّت کا عالم برابر طاری رہا، زمان و مکان کا احساس ختم ہوگیا تھا، روحانی فیض میرے رگ و پے میں ساری تھا، دل میں اس قدر وسعت پاتا تھا کہ ساری کائنات اس میں سما گئی۔

اقبال نے ضرب کلیم (۱۹۳۵ء) میں اسی تجربے کی بنا پر کہا ہے۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

اقبال کی عقیدت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ موصوف نے ۱۹۳۴ء

میں انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے ادا شناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی، اقبال نے ۱۸؍اگست ۱۹۳۳ء کو سر سید میر علی شاہ گورکھپوری کو ایک مکتوب تحریر کیا تھا اس میں لکھتے ہیں۔

میں نے گذشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے اداشناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی اب پھر ادھر جانے کا مقصد ہے اور اس سفر میں محی الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے، اس مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اقبال کے دل میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا کیا مقام تھا، وہ ان کے فلسفہ کو یورپ کے لوگوں سے متعارف کرانا چاہتے ہیں، اس لیے کہ ۱۹۳۱ء میں روما اور قاہرہ میں جو تقریریں کی تھیں، ان میں بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا ذکر فرمایا تھا، موضوع (Religious Experience) تھا اسی لیے لندن میں ایک تقریر کی تھی جس کا عنوان تھا(Is Religios) Possible اس میں بھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا تفصیلی ذکر موجود ہے جس کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

۱۹۳۲ء میں اقبال نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ پر جس تقریر کا ذکر کیا ہے وہ تلاش بسیار باوجود دستیاب نہ ہوسکی، ڈاکٹر محمد شفیع مرحوم نے تحریر فرمایا، سنا ہے اس تقریر کا مسودہ ان کے صاحبزادے ڈاکٹر محمد جاوید اقبال کے پاس ہے۔

انگلستان میں ڈاکٹر آر پری نے لکھا کہ یہ تقریر انگلستان میں شائع نہیں ہوئی اور تلاش بسیار کے بعد اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوسکا، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے علمی اور عملی کارناموں نے اقبال کو بہت متاثر کیا۔[۱]

اقبال نے بال جبریل کی ایک نظم میں اپنے قلبی تاثرات اور حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے کارناموں کا ایجاز واختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اس نظم کا عنوان ہے

---

[۱] مجدد شہزادۂ دوم ۱۲۱ تا ۱۳۰۔

''پنجاب کے پیرزادوں سے'' گویا یہ نظم خانقاہ نشینوں کے لیے درس طریقہ ہے، اقبال فرماتے ہیں۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر

الی آخر جو شروع میں مذکور ہے

اقبال نے متذکرہ بالا نظم میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے تجدیدی اور مجاہدانہ کارناموں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

صاحب اسرار سے علوم دینیہ اور امور دنیویہ میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی ذوق ہی کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے بعد ہی جہاں گیر کے دربار میں حاضری کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

جس کے نفس گرم سے گرمئی احرار

جہانگیر نے حضرت مجدد پر ایک جھوٹا الزام لگا کر دربار میں طلب کیا تھا، دربار میں جانے سے پہلے شہزادۂ خرم (شاہجہاں) کے جو آپ سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، چند علما کو بھیج کر یہ درخواست کی تھی کہ حضرت مجدد جہانگیر کے سامنے سجدہ تعظیمی کرلیں تو کوئی گزند نہیں پہنچے گا، نیز یہ کہ علمائے کرام نے سجدہ تعظیمی کو مباح لکھا ہے اس پر آپ نے جواب دیا، یہ تو رخصت ہے،عزیمت پسندی نے سرزمین ہند کو بڑی ہلاکت سے بچایا اور تاریخ ہند کا رخ موڑ دیا، اگر رخصت پر عمل کیا ہوتا تو پھر جہانگیر نہ ہوتا، شاہجہاں نہ ہوتا، اورنگ زیب نہ ہوتا تاریخ ہند کا کچھ بعد ہی رخ ہوتا یہی وہ حقیقت ہے جس کی طرف علامہ اس شعر میں اشارہ فرماتے ہیں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے جہانگیر کے سامنے یہی نعرہ لاملوک بلند کیا تھا

جس کی پاداش میں آپ کو قید و بند کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا پڑیں اور آپ نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کو برداشت کیا اور ثابت کر دکھایا۔

فقر، ذوق وشوق وتسلیم ورضاست

اقبال نے ضرب کلیم انہی حضرات کے لیے لکھا ہے۔

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انھیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجود انھیں کا طواف بتاں سے ہے آزاد
یہ تیرے مومن و کافر تمام زناری

اقبال اس شخص کی پیشوائی وامامت کو ملت اسلامیہ کے لیے فتنہ قرار دیتے ہیں، جو مسلمان کو سلاطین کا پرستار کر لے۔

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرلے

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے شاہ پرستی نہیں سکھائی، خدا پرستی سکھائی، یہی ادا اقبال کو بھائی، انھوں نے خود خوددار طبیعت پائی تھی، غیر اللہ کے سامنے جھکنا ان کے نزدیک موت کے مترادف تھا، وہ ایک سجدے کو سب سجدوں پر بھاری سمجھتے تھے۔

وہ اک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

مذکورہ بالا نظم کے چوتھے شعر میں اقبال نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اصلاحی کارناموں کی طرف اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

دین الٰہی:

تاریخ کے طلبہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اکبر کے ہاتھوں ملت اسلامیہ کا سرمایہ کس بے دردی سے لٹ رہا تھا، حالات بد سے بدتر ہوتے جارہے تھے، ۱۵۸۲ء میں دین الٰہی اسلام کے مقابلے میں ایک نیا دین، دین الٰہی کے نام سے بنایا گیا، اور یہ دین اسلام پر اکبر کا آخری وار تھا، اکبر کے درباری مؤرخ عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں اکبر کی بے راہ رویوں اور گمراہیوں اور عام ناگفتہ بہ حالات کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے۔

اکبر آفتاب کی پرستش کرتا تھا، آب و آتش، شجر و حجر سب کی پرستش کی جاتی تھی، گائے کے گوبر کی پوجا ہوتی تھی، اکبر قشقہ لگاتا تھا، زنار پہنتا تھا، کتے کو ناپاک نہیں سمجھتا تھا، بلکہ ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا جاتا تھا، ان کی زیارت عبادت تصور کی جاتی تھی، جانور ذبح کرنے والے خصوصاً گائے ذبح کرنے والوں کی انگلیاں کاٹ دی جاتی تھیں، قلعہ میں جوئے کی بازیاں لگتی تھیں، شراب دھڑلے سے بکتی تھی، اور شراب فروش ایک مسلمان عورت تھی، شیخ الاسلام مفتی صدر جہاں نیّر علوی میر عبدالحئی بھی خم پہ خم پڑھایا کرتے تھے، داڑھی کا رکھنا معیوب تھا، عربی لکھنا اور پڑھنا جرم تھا، حتی کہ عربی حروف کے استعمال کی بھی ممانعت کردی گئی تھی، مسجدیں ویران ہورہی تھیں اور ان کی جگہ یا تو اصطبل بن رہے تھے یا مندر، الغرض دین اسلام کی پوری پوری بیخ کنی کی جارہی تھی، اور یہ سب کچھ مسلمانوں کے ہاتھوں ہورہا تھا۔[1]

ان حالات میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اصلاح و تبلیغ کا بیڑا اٹھایا، چنانچہ مکتوبات شریف میں اعیان مملکت کے نام بے شمار مکاتیب ملتے ہیں جن میں

---

[1] ملخصاً۔

حالات کی اصلاح کی طرف ترغیب دلائی مثلاً دربار اکبری کے ممتاز فرد شیخ فرید بخاری (م۱۰۲۵ھ/ ۱۶۱۶ء) کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

ذرا خیال کریں کہ معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے، مسلمانی کی بو بھی باقی نہیں رہی ایک دوست نے کہا ہے کہ تم لوگوں میں سے جب تک کوئی دیوانہ نہ ہوگا، مسلمان تک پہنچنا مشکل ہے۔

اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے اپنے نفع ونقصان کا خیال بھی نہ ہونا، یہ ہے دیوانگی! اسلام رہے تو کچھ بھی ہو اور اگر نہ رہے تو پھر کچھ بھی نہ رہے اگر مسلمانی ہے تو پھر خدا کی رضا اور اس کے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی بھی ہے اور آقا کی رضا سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں۔

اس طرح حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اعیان مملکت کو دین اسلام کی زبوں حالی اور آنے والی تباہی سے بر وقت خبردار کیا، اکبر کے زمانے میں راستہ ہموار کیا اور جہانگیر کے زمانے میں وہ وقت بھی آیا جب کہ خود جہانگیر نے امور شرعیہ میں مشورہ دینے کے لیے علما کا ایک کمیشن مقرر کیا اور حالات رو بہ اصلاح ہونے لگے اورنگ زیب کے عہد تک اسلام کو جو فروغ ہوا وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، یہ سب کچھ خاندان مجددیہ کی مساعی جمیلہ کا ثمر شریں تھا، اس پر ایک علاحدہ مقالہ لکھنے کی ضرورت ہے۔
بال جبریل میں ایک اور نظم ملتی ہے، جس کا عنوان ہے ''ساقی'' اس کا مطلع ہے۔

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
ہاتھ آ جائے مجھے میرا مقام اے ساقی

یہاں ساقی سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی طرف اشارہ ہے، دوسرا شعر ہے۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

میاں بشیر احمد بیرسٹرایٹ لا رنے اس شعر کا مفہوم اقبال سے پوچھا تھا، یہ باتیں انھیں کی زبانی سنئے۔

جب وہ اپنی میوروڈ والی کوٹھی جاوید منزل میں آ چکے تو میں کبھی کبھی حاضر ہوتا اور بال جبریل کے بعض اشعار کا مفہوم دریافت کرتا، ایک دن میں نے پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب اس شعر میں کیا اشارہ ہے؟۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی

میں حیران ہوا کہ تین سو سال ہوئے کہ جہانگیر کے ہاں میخواری کا دور دورہ تھا، ڈاکٹر صاحب کیا پھر وہی رسم قدیم جاری کرنا چاہتے ہیں؟ جواب دیا کہ نہیں، یہ شیخ احمد مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سرہندی کی طرف اشارہ ہے، جو مسلمانان ہند کے سب سے زبردست رہنما گزرے ہیں۔

علامہ اقبال نے اسی مفہوم کا ایک شعر مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق میں بھی کہا ہے، فرماتے ہیں۔

از سہ قرن ایں امت خوار و زبوں
زندہ بے سوز و سرور اندرون

اقبال کو اس حقیت کا زبردست احساس تھا کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے بعد تین سو سال سے ایسا مرد حر پیدا نہیں ہوا جو افراد ملت میں آزادی وحریت اور ایمان وعشق کی روح پھونک دے، ان کو یہ بھی احساس تھا کہ علما تحقیق کی طرف مائل نہیں اور کوئی ایسا عالم نہیں، جو میدان علم میں توسن تحقیق دوڑائے اسی لیے بصد حسرت و یاس فرماتے ہیں۔

شیر مردوں سے ہوا پیشہ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے علم کو عشق آشنا کیا، اسی کے سہارے دلوں پر حکمرانی کی اور باطل قوتوں کا مقابلہ کیا، اقبال اسی علم کی تلاش میں ہیں جو ہم صغیر عشق ہو اس لیے اپنے عہد کی عقلیت پرستی اور عشق سے بیگانگی پر ماتم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عشق کی تیغ جگر دار اڑائی کس نے
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام ساقی

اقبال کو حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی تعلیمات میں ماریت کے اس تاریک دور میں اور نور نظر آ رہا ہے۔

وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ نوع انسانی کے مسائل کا صحیح حل اور اس کے دردوں کا مداوا ایک مرد حر کے پاس ہے، اسی لیے ڈاکٹر مسعود صاحب اپنی کتاب مجدد شہزادۂ دوم ص ۱۳۰ تا ۱۳۸ کے آخر میں علامہ اقبال کا شعر ذکر کرتے ہیں۔

تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی

امام ربانی کی تبلیغ واشاعت:

پہلے بیان میں حضور مجدد الف ثانی کے اخلاق وآداب کا تذکرہ ہوا، اب آپ کی تبلیغ واشاعت کا ذکر ہے، حضرت شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے سترہ برس کی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہو کر درس وتدریس اور تصنیف رسائل کے ذریعہ سے تبلیغ کا کام شروع کر دیا تھا، بعد ازاں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے اجازت ارشاد پا کر تلقین طلاب میں مشغول ہو گئے تھے اور حسب اشارہ پیر بزرگوار لاہور میں اشاعت طریقہ فرما رہے تھے کہ حضرت خواجہ نے وفات پائی، ان

کے وصال کے بعد ان کے مرشدین نے آپ سے تجدید بیعت کر کے استفادہ باطنی جاری رکھا، آپ کے کمالات عالیہ کی برکت اور انوار صحبت کے فیض سے سلسلہ نقشبندیہ تھوڑے عرصہ میں ہندوستان میں دور دور شائع ہوگیا، اس کے بعد سلسلہ عالیہ مجددیہ ہندوستان سے باہر دیگر ممالک میں بھی پھیلنے لگا، چنانچہ تجدید قیومیت کے چھٹے سال شیخ طاہر بدخشی، شیخ احمد، برکی، خواجہ یوسف برکی، شیخ حسن برکی، مولانا یار محمد قدیم طالقانی، مولانا صالح کر کے سرہند شریف میں حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ مجددیہ میں داخل ہوئے، یہ سب خلافت سے سرفراز ہوکر ذریعۂ اشاعت طریقہ بنے۔

تجدید کے بارہویں سال بہت سے جن بھی حضرت کے سلسلے عالیہ میں داخل ہوئے، چنانچہ جنوں کا بادشاہ مع لشکر آپ کا مرید ہوگیا۔

تجدید کے چودہویں سال حضرت شیخ نے اپنے خلیفے بغرض ہدایت خلق دنیا کے اطراف میں روانہ کیے، چنانچہ ستر اہل ارادات بسر کردگی مولانا یار محمد قدیم طالقانی ملک ترکستان وتبعاق کو بھیجے اور چالیس ارادتمند، یمن، شام، روم کی طرف بسر کردگی مولانا فرخ حسین روانہ فرمائے اور اپنے اس معتبر یار مولانا صادق کابلی کے تحت میں کاشغہ کی طرف روانہ کیے اور تین بڑے بڑے حلیفوں کو بسر کردگی مولانا شیخ احمد برکی توران بدحشا اور خراسان کی طرف رخصت کیا، ان خلفا کی ہر جگہ بڑی عزت ہوئی اور ان ملکوں کے چھوٹے چھوٹے بڑے امیر وزیر بادشاہ تک حضرت کے خلفا کے مرید بن گئے، خراسان بدخشان اور توران میں تو طریقہ عالیہ احمدیہ کا اس قدر رواج ہوا کہ وہاں کا کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ تھا جہاں اس سلسلہ کے خلفاء نہ ہوں، یہاں تک کہ عبداللہ خاں اوزبک جو وہاں کا بادشاہ تھا، حضرت کا ایسا معتقد ہوگیا کہ کوئی کام آپ کے خلفاء کے مشورے کے بغیر نہ کرتا۔

خلفا کے علاوہ حضرت کے مکتوبات کے ذریعہ سے بھی تبلیغ واشاعت ظہور

میں آئی، مکتوبات کی پہلی جلد ۱۰۲۵ھ میں تمام ہوئی جسے حضرت کے خلیفہ خاص شیخ یار محمد جدید طالقانی نے جمع کیا تھا، لوگوں نے اس کی نقلیں حاصل کیں اور ایران توران بدخشان ماوراء النہر میں شائع ہوئی اور اس کا بہت اچھا اثر پڑا، چنانچہ تجدید کے بائیسویں سال ایک درویش بلخ سے ہندوستان آیا، اس کی مسافت سے وہاں کے اکابر نے مثلاً مشائخ میں سے سیادت پناہ سید میرخ شاہ اور شیخ المشائخ کبروی میر محمد اور میر مومن بلخی نے اور علما میں سے مولانا ربانی حسن تفتادانی مولانا نور نولک نے درخواستیں بھیج کر غائبانہ بیعت کی۔

اس مقام پر یہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے تجدید و قیومیت کے پندرہویں سال اپنے خلیفہ شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو سلطان ہند جہانگیر کے لشکر کی خلافت دے کر بغرض اشاعت طریقہ آگرہ میں بھیجا جہاں اس سلسلہ عالیہ کا کوئی خلیفہ نہ تھا اور اسے تاکید کردی کہ مستقل مزاج رہنا اور ہماری اجازت کے بغیر وہاں سے آنا، چنانچہ شیخ احمد لشکر سلطانی میں تشریف لے گئے اور وہاں ان کو قبولیت عامہ نصیب ہوئی، ارکان سلطنت میں سے خانحا خاں، اعظم خاں، شاہجہاں، سکندر خاں، سید صدر جہاں، اسلام خاں، اور مہابت خاں وغیرہ داخل سلسلہ ہوئے اور مجلس حلقہ گرم ہونے لگی۔

حضرت شیخ نے رد روافض میں ایک رسالہ لکھا تھا جس کا پہلے بیان ہو چکا ہے اور اپنی دیگر تحریرات میں بھی روافض کے عقائد باطلہ کی تردید فرمایا کرتے تھے، اس لیے شیعہ آپ کے جانی دشمن ہوگئے، جہانگیر کا رویہ آصف جاہ شیعی تھا، اس نے جب خلیفہ بدیع الدین کے ارشاد کا حال سنا تو بہت پیچ و تاب کھایا اور بادشاہ سے کہہ دیا کہ آج کل شہر سرہند میں ایک سیاسی شخص شیخ احمد نام کا ہے جس کے بہت سے مرید ہیں غیر ممالک کے بادشاہ تک اس کے نیازمند مرید ہیں، اس کا ایک خلیفہ یہاں لشکر میں آیا ہوا ہے آپ کے لشکر کے اراکین اس کے

مرید ہوگئے ہیں ایسا نہ ہو کہ شیخ سرہندی آپ کی سلطنت پر ہاتھ ڈالے، شاہ اسماعیل صفوی نے مریدوں ہی کے ذریعہ سلطنت ایران پر قبضہ کرلیا تھا، اس اثنا میں شیخ صاحب بغرض اصلاح بعضے امور وطن چلے آئے، حضرت شیخ کو جو خبر لگی خفا ہوئے کہ ہماری اجازت کے بغیر کیوں آئے، انھوں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ میں پھر بغرض ارشاد آگرہ چلا جاتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ وقت وہی تھا، اگر اب تم جاتے ہو تو تم جانو تمہارا اختیار ہے، غرض شیخ صاحب پھر آگرہ پہنچے اور وہاں مخالفین کی جماعت کو خشونت آمیز نصیحتیں کیں اور اپنے بلند احوال گوش گزار کیے بلکہ بعض ایسے دقائع وکشوف ذکر کیے کہ جن کا ظاہر کرنا موجب فتنہ تھا، اب مخالفین نے بادشاہ کو یہ پٹی پڑھائی کہ شیخ بدیع الدین کا سرہند جانا اور پھر آنا خالی از علت نہیں اور حضرت مجدد کے خلاف بہت کچھ کہا جن میں سے ایک امر یہ بھی تھا کہ حضرت شیخ اپنے تئیں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرا مقام ان کے مقام کے اوپر ہے اور انھوں نے اپنے زعم فاسد میں اس کے ثبوت میں حضرت کا مکتوب ۱۱ جلد اول پیش کیا، جس میں آپ نے اپنا حال اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں یوں تحریر فرمایا ہے۔

''جب مقام سابق سے اوپر کے مقام تک رسائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت ذوالنورین کا ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے اور یہ مقام بھی تکمیل وارشاد کا مقام ہے اسی طرح اوپر کے دو اور مقام بھی جن کا ذکر آتا ہے، مقام تکمیل وارشاد ہیں، مقام ذوالنورین سے اوپر ایک اور مقام نظر آیا جب اس مقام تک رسائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت فاروق کا ہے اور دوسرے خلفا کا بھی وہاں عبور ہوا ہے اور اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر کا مقام ظاہر ہوا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)۔

اس مقام پر بھی رسائی ہوئی اور اپنے مشائخ میں سے حضرت خواجہ نقشبند

قدس سرہٗ کو ہر مقام میں اپنے ساتھ پاتا تھا، خلفائے دیگر کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے، فرق صرف عبور واقامت اور مرور وثبات کا ہے اور اس مقام سے اوپر کوئی مقام مفہوم نہیں ہوتا سوائے مقام حضرت خاتم المرسلین کے علیہ من الصلوات اتموین التحیات اکملہا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام کے مقابل ایک اور بہت عجیب نورانی مقام ظاہر ہوا کہ ایسا کبھی نظر نہ آیا تھا، یہ مقام حضرت صدیق اکبر کے مقام سے ذرا اونچا تھا، جیسا کہ چبوترے کو روئے زمین سے اونچا کر لیتے ہیں، معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت کا ہے اور وہ رنگین ومنقش تھا، میں نے اپنے تئیں اس مقام کے عکس سے رنگین ومنقش پایا۔

القصہ بادشاہ جو سیر وسلوک صوفیہ کرام سے بالکل بے خبر تھا، مخالفین کے دام فریب میں آ گیا اس نے یہ حکم امتناعی نافذ کر دیا کہ لشکریوں میں سے کوئی خلیفہ کے پاس نہ جائے اور عقیدت مند اراکین کو مختلف جگہ پر تبدیل کر دیا، چنانچہ خان خاناں کو ملک دکن مہابت خاں کو کابل، سید صدر جہاں کو بنگال، شانجہاں لودھی کو ملک مالوہ اور خان اعظم کو گجرات بھیج دیا، بعد ازاں حاکم سرہند کو لکھا کہ شیخ مجدد کو خود لے کر حاضر ہو، اس طرح جب آپ بارگاہ سلطانی میں پہنچے تو آپ نے بادشاہ کو سجدہ تحیہ نہ کیا، وزیر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ بادشاہ نے خلاف عادت حضرت پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور بادشاہ سے کہنے لگا کہ یہ وہی شخص ہے جو اپنے تئیں حضرت صدیق اکبر سے افضل سمجھتا ہے، حضرت نے اس کو نہایت معقول و مدلل جواب دیا پھر آپ سے سجدہ تحیہ کو کہا گیا اور ہر چند کوشش کی گئی کہ آپ ذرا سر ہی جھکا لیں مگر آپ نے ہرگز نہ مانا، الغرض بادشاہ نے وزیر کی تحریک پر آپ کے لیے قید کا حکم دیا اور آپ قلعہ گوالیار میں بھیج دیے گئے، بادشاہ اس واقعہ کو تو زک جہانگیری میں یوں لکھا ہے، کہ بادشاہ نے جو حضرت شیخ اور آپ کے مکتوبات اور آپ کے خلفا کی نسبت دریدہ ذہنی کی ہے وہ کسی دوسرے کے کہنے سے کی گئی ہے،

مکتوب ۱۱ جلد اول کا جو حوالہ دیا گیا اگر ہم بنظر انصاف غور کریں تو اس سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا مقام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام سے اعلیٰ ہے، کیونکہ کسی مقام پر وصول و رسائی اور بات ہے اور اس مقام کا حصول و یافت اور سلاطین اپنے ادنیٰ خادم کو خدمت کے لیے اپنے پاس بلا لیتے ہیں اور وہ امرا کے مقام سے گزر کر پیشی میں حاضر ہوتا ہے پھر اپنے مقام پر واپس جا کر کھڑا ہو جاتا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نوکر کا مرتبہ امرا سے زیادہ ہے، دیگر یہ کہ حضرت نے فرمایا کہ میں نے اپنے تئیں اس مقام کے عکس سے رنگین و منقش پایا، یہ نہیں فرمایا کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا، دیکھئے سورج چوتھے آسمان پر ہے اور اس کا عکس زمین پر روشن ہے، مگر اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ زمین مقام آفتاب پر پہنچ گئی، خود شیخ کے ارادت مندوں نے آپ سے عبارت زیر بحث کا حل دریافت کیا ہے اور آپ نے ان کو کافی جواب دیے ہیں (دیکھو مکتوبات جلد اول ۱۹۲، ۲۰۲، ۱۲۰، اور جلد ثانی مکتوب ۹۹) بادشاہ کا یہ لکھنا کہ حضرت شیخ معقول جواب نہ دے سکے بالکل غلط ہے۔

حضرت شیخ کی قید کی خبر سن کر اراکین سلطنت میں سخت بے چینی پیدا ہوئی، چنانچہ خان خاناں، خان اعظم، سید صدر جہاں، اسلام خاں، مہامت خاں، مرتضیٰ خاں شانجہاں لودھی، سکندر خاں، حیات خاں اور دریا خاں، وغیرہ جو حضرت کے مرید تھے باہم خط و کتابت کر کے بغاوت پر آمادہ ہو گئے، بالآخر حضرت نے ان سب کو تسلی و تشفی کے خط لکھ کر بغاوت کرنے سے روک دیا، آپ ایام حبس میں بھی تبلیغ فرماتے رہے، چنانچہ بہت سے کفار آپ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے اور سیکڑوں کو داخل طریقہ فرما کر آپ نے درجہ ولایت تک پہنچا دیا، ایام قید میں آپ نے کبھی بادشاہ کے لیے بددعا نہ کی، بلکہ فرماتے تھے کہ اگر بادشاہ مجھے نظر بند نہ کرتا تو اتنے آدمی جو فائدہ دینی سے مستفید ہوئے محروم رہ جاتے اور

ہماری ترقی مقامات جونزول بلا پر موقوف تھی، وقوع میں نہ آتی جیسا کہ ان مکتوبات سے ظاہر ہے کہ جو آپ نے ان ایام میں صاحبزادگان اور دیگر ارادت مندوں کو لکھتے ہیں، دوسال کے بعد بادشاہ اپنے کئے پر نادم ہوا اور حضرت شیخ کو اعزاز و اکرام سے اپنے پاس بلاکر معذرت کی اور آپ کا محبّ بن گیا کہ آپ کو لشکر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا اور شہزادہ خرم کو جو ملقب بہ شاہجہاں ہوا آپ کے مریدین کے زمرہ میں داخل کردیا، بعد ازاں عالمگیر اور اورنگ زیب بھی اسی سلسلہ میں داخل ہوا، اور امرا و وزرا کثرت سے سلسلہ مجددیہ میں منسلک ہوئے، القصہ حضرت شیخ لشکر زندگی میں بھی اپنے بے اختیاری کا خوب ذوق ولطف اٹھاتے رہے اور بدستور تبلیغ میں مشغول رہے، ۱۰۳۲ھ میں آپ اجمیر شریف میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ کو قرب موت کے آثار محسوس ہوئے آپ کو لشکر سے رخصت مل گئی، وطن میں آکر آپ نے گوشہ اختیار فرمایا، ارشاد کا کام اپنے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کے سپرد کردیا۔

صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس کے بعد بادشاہ اس امر سے نادم و پشیمان ہوا اور اس نے بہت سے عذر کیے مگر بے ادبی اس کے لیے نامبارک ہوئی، اس کی سلطنت میں بہت شور وفتور پیدا ہوا، اس کے قبضے کے بڑے علاقوں کو ایرانیوں نے غلبہ پاکر اپنے قبضہ میں کرلیا اور وہ خود مہلک کمزوروں میں مبتلا ہوگیا، یہاں تک کہ اسی حال میں اس دنیا سے چل دیا۔[۱]

آپ کی تالیفات:

حضرت مجدد کی تالیفات کی ابتدا رسائل سے ہوئی ہے اور انتہا مکتوبات پر ہوئی ہے، شیخ صفر احمد ندوی نے آپ کے سات رسائل اور تین دفتر مکتوبات کا ذکر

[۱] حضرت محبوب سبحانی مجدد الف ثانی ۸۲ تا ۹۲۔

کیا ہے۔[1]

(۱) رسالہ تہلیلیہ، اس کو رسالہ تحقیق طیبہ بھی کہتے ہیں۔

(۲) رسالہ اثبات نبوت، اس کو رسالہ تحقیق نبوت بھی کہتے ہیں۔

(۳) رسالہ ردشیعہ، اس کو رسالہ رد روافض بھی کہتے ہیں، منشی نول کشور نے ۱۲۹۴ھ میں اس رسالہ کو مکتوبات شریف کے آخر میں طبع کیا ہے۔

رسائل سبعہ مبارکہ کا مجموعہ ۱۲۶۷ھ کا تحریر کردہ ہے اس میں اور مطبوعہ نسخہ میں فرق ہے قلمی نسخہ کے دیباچہ میں ہندوستان میں اسلام کی آمد اور وحدت کلمۂ مسلمین کا ذکر ہے پھر تحریر فرمایا ہے ''حضرت خواجہ خسرو علیہ الرحمۃ والرضوان در تعریف ہندوستان می فرماید'' اور پھر آپ نے ان کے چودہ اشعار لکھے ہیں۔

(۴) رسالہ معارف لدنیہ

(۵) رسالہ شرح الشرح لبعض رباعیات حضرت خواجہ

(۶) رسالہ مبداومعاد

(۷) رسالہ مکاشفات غیبیہ

اول الذکر دو رسالے عربی میں اور باقی پانچ رسالے فارسی میں ہیں۔

شیخ احمد صفر نے لکھا ہے کہ رسالہ مکاشفات غیبیہ کو حضرت خواجہ محمد معصوم نے اور رسالہ مبدا اور معاد خواجہ محمد صدیق بدخشی نے جمع کیا اور ابتدا میں خطبہ کا ذکر کیا اور باقی تمام مضامین حضرت مجدد کے تحریر کردہ ہیں۔

خواجہ ہاشم نے زبدۃ المقامات میں رسالہ اثبات نبوت کا ذکر نہیں کیا ہے اور رسالہ جذبہ وسلوک کا ذکر کیا ہے۔

شیخ بدرالدین نے حضرات القدس میں رسالہ تہلیلیہ کا ذکر نہیں کیا ہے اور رسالہ اداب المریدین کا نام لکھا ہے، آخر میں وغیر ذلک لکھا ہے یعنی ان کے سوا اور

---

[1] برکات مصطفوی منقاح اول ص ۴۷۔

بھی ہیں۔

خواجہ شہاب الدین کے ادب کے پیش نظر آپ نے لکھنا بند کردیا، خواجہ ہاشم نے آپ کی تالیفات کے بیان کرنے سے چار ورق نیچے لکھا ہے کہ بعض فضلہ کی التماس پر آپ کے عوارف کی شرح عربی میں لکھنی شروع کی تھی۔[1]

رسالہ تہلیلیہ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد نے یہ رسالہ اس وقت لکھا ہے جبکہ آپ حضرت مخدوم سے عوارف وفتوحات اور نصوص کے حقائق و دقائق کو حل کررہے تھے، علوم ظاہری کی مروجہ کتابوں کی انتہا اور علوم باطنی کی ابتدا کا دور تھا اور بارہ مہینے کا رسالہ آپ کی تالیف ہے، آپ نے اس رسالہ کی ابتدا ''فَاِنْ تُلْفَ لَابُدَّ مِنْ تَقْدِیْرِ خَبَرِلَا'' سے کی ہے، یہ عبارت غمازی کررہی ہے کہ ہنوز تحصیل علم کا سلسلہ جاری تھا، بعض افراد کا خیال ہے کہ یہ رسالہ آپ نے اپنے والد کی وفات کے بعد لکھا ہے کیونکہ آپ نے صفحہ چھ پر لکھا ہے کہ قَالَ شَیْخِیْ وَوَالِدِیْ قُدِّسَ سِرُّهُ فِیْ رِسَالَةِ الخ۔ آپ نے اپنے والد کا ذکر قدس سرہ سے کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ رحلت فرما چکے تھے۔

اس سلسلہ میں میرا خیال یہ ہے کہ یہ دعائیہ جملہ مبیضہ کرتے وقت کیا گیا ہے اور اسی طرح صفحہ گیارہ پر ''قَدْ اسْتَفَضْنَاهُ فِیْ رِسَالَتِنَا الْمُحَرَّرَةِ لِاِثْبَاتِ النُّبُوَّةِ کا اضافہ ہوا ہے۔

حضرت مخدوم کی وفات کے بعد آپ حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے اور سلسلہ نقشبندیہ کے فیوضات سے سرشار ہوئے، حضرت خواجہ سے وابستگی کے بعد آپ کی ہر تحریر میں نسبت سلسلہ نقشبندیہ موجیں مار رہی تھیں، لیکن رسالہ تہلیلیہ اس سے معرّی ہے یہی کیفیت رسالہ اثبات نبوت اور رسالہ ردشیعہ کی ہے۔

تینوں رسالے سلسلہ نقشبندیہ میں داخل ہونے سے پہلے تالیف ہوئے

---

[1] زبدۃ المقامات ص۳۶۶۔

ہیں۔

آپ کی رسالہ ردّ شیعہ پر اس دور کے آزاد خیال افراد کو اعتراض ہے ان لوگوں کی نظر میں یہ رسالہ اخوت اسلامی کے منافی ہے، یہ لوگ ان اسباب و علل سے چشم پوشی کر رہے ہیں، جن کی بنا پر حضرت مجدد اس رسالہ کے لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں آپ نے رسالہ کے دیباچہ میں واضح طور سے اس کا ذکر کیا ہے، میں اس کا خلاصہ لکھتا ہوں۔

ماوراء النہر کے علما نے ایک رسالہ رد روافض میں لکھا تھا، اس رسالہ کے جواب میں شیعوں نے بھی ایک رسالہ لکھا، اس میں خلفائے ثلاثہ (یعنی حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم) کی تکفیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تشنیع اور ذم ہے اور شیعوں کے بعض طلبہ جو اس ملک (ہندوستان) میں آگئے ہیں وہ اس رسالہ کی تحریرات پر افتخار و مباہات کرنے لگے، اور بادشاہ و امراء کی محفلوں میں ان مغالطات کی تشہیر کرنے لگے جس مجلس میں یہ فقیر ہوتا تھا، ان کی غلطی بیانیوں کو دو مقدمات معقولہ سے کرتا تھا، اس وقت دل میں خیال آیا کہ اس سلسلہ میں رسالہ لکھا جائے چنانچہ یہ رسالہ لکھا گیا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس رسالے میں شیعیت کی ابتدا تاریخی لکھی ہے اور پھر شیعوں کے طوائف کا بیان بہ صورت اختصار کیا ہے، وہ طوائف یہ ہیں۔

(۱) طائفہ سبائیہ (۲) طائفہ کاملیہ (۳) طائفہ بیانیہ (۴) طائفہ مغیریہ (۵) طائفہ منصوریہ (۷) طائفہ خطابیہ (۸) طائفہ غرابیہ (۹) طائفہ ذمیہ (۱۰) طائفہ یونسیہ (۱۱) طائفہ مقوضیہ (۱۲) طائفہ اسماعیلیہ باطینہ (۱۳) طائفہ زیدیہ (۱۴) طائفہ رسامیہ۔

آپ نے ان طوائف کے عقائد بیان کر کے ان کی ذہنیت کیفیت عیاں کر دی ہے، اور پھر آپ نے علمائے ماوراء النہر کے رسالہ کی عبارت نقل کی ہے،

یہ عبارت آٹھ سطر کی ہے، اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے ''جبکہ شیعہ حضرات شیخین (ابوبکر، وعمر) اور بعض ازواج طاہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین پر طعن کرتے ہیں اور یہ کفر ہے اور آپ نے اس کے بعد قرآن و حدیث اور ائمہ دین کے اقوال سے علمائے ماوراء النہر کے فتوے کو صحیح بتایا ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذہب اہل سنت و جماعت کی رو سے حضرت مجدد کی یہ تحریر درست ہے یا غلط ہے اگر معترضین کا یہ خیال ہے کہ غلط ہے تو وہ اس کو ثابت کریں، اہل سنت و جماعت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن مجید کے ایک حرف کا انکار بھی کفر ہے، حضرت عائشہ کی برأت قرآن سے ثابت ہے، اب اگر کوئی آپ کی برأت کو تسلیم نہ کرے تو وہ کافر ہوجاتا ہے۔

جو لوگ حضرت مجدد پر اعتراض کررہے ہیں کہ اور آپ کی تحریر کو اخوت و محبت کے خلاف قرار دے رہے ہیں کیا کبھی ان کو اس بات کی توفیق ہوئی ہے کہ انھوں نے از روئے اخوت شیعوں سے کہا ہو کہ حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان حضرت عائشہ اور ان کے تمام صحابہ کو جن سے پروردگار جل شانہٗ نے اپنی رضا مندی کا اظہار قرآن مجید میں صراحت کے ساتھ فرمایا ہے، گالیاں نہ دو، ان پر لعنت نہ بھیجو، مسلمانوں کے دلوں کو زخمی نہ کرو، دیکھو عکرمہ فرزند ابوجہل جب اسلام لانے کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے والے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا یَاتِیْکُمْ عِکْرَمَۃُ مُؤمِناً مُھَاجِراً فَلَا تُسَبُّوْا اَبَاہُ فَاِنَّ سَبَّ الْمِیّتَ یَعْدِیُ الحَیَّ وَلَا یَلْحَقُ الْمَیّتِ فِیْ رِوَایَۃِ لَا تَسُبُّوْا الاَمْوَاتِ فَتُؤْذَوا الاَحْیَاءِ[۱]

ترجمہ: تمہارے پاس عکرمہ مومن مہاجر ہوکر آرہا ہے پس تم اس کے باپ کو گالی نہ دو کیونکہ مردے کو گالی دینے سے زندوں کو تکلیف پہنچتی ہے، مردے کو نہیں

---

[۱] انسان الحیوان بہ سیرت جلی۔

لگتی ہے اور ایک روایت میں ہے مردہ کو گالی دے کر زندوں کو ایزا نہ پہنچاؤ۔
حضرت مجدد قدس سرہ اللہ تعالیٰ کی اور رسول کی بات کریں، ائمہ کے اقوال نقل کریں تو مجرم اور شیعہ ہمارے آقا سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثاروں اور آپ کی زوجات مطہرات کو گالیاں دیں اور ان پر جھوٹے الزام لگائیں، تو یہ کوئی بات نہیں، کیا اس سے اخوت اسلامی کو تقویت پہنچتی ہے۔

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَذُوْبُ الْقَلْبُ مِنْ كَمَنٍ
اِنْ كَانَ فِي الْقَلْبِ اِسْلَامٌ وَاِيْمَانٌ

حضرت مجدد کا رسالہ کل چالیس صفحے کا ہے نو خانہ محققین حضرت شاہ عبدالعزیز کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ اٹھا کر دیکھیں جو سات سو چھہتر صفحات کی بے مثل کتاب ہے اس کا ہر صفحہ حضرت مجدد کے رسالہ کے دو صفحے سے زائد ہے اس میں غُلّات شیعہ کے چوبیس فرقوں زیدیہ کے نو اور فرقہ اسامیہ کے انتالیس فرقوں کا اور ان کے ایک سو سات مکائد اور سینتیس عقائد کا تفصیل سے ذکر ہے یہ کتاب ۱۲۷۱ھ میں دہلی کے مطبع حشی میں چھپی ہے، اس کا اردو ترجمہ عبدالمجید خاں صاحب پیلی بھیتی نے کیا ہے جو کہ تحفہ مجیدیہ کے نام سے ۱۳۱۰ھ میں بہ اہتمام عبدالواحد خاں مطبع مصطفائی میں چھپا، اس کتاب کی جامعیت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جائے کہ حضرت مصنف قدس سرہ کی حیات میں غلام محمد بن محکی الدین بن عمر اسملی نے ۱۲۲۷ھ میں اس کا ترجمہ عربی میں کیا اور پھر سید محمود اشکری الوسی بغدادی نے اس کو مختصر کر کے ۱۳۰۱ھ میں بنام مختصر الحتفہ الثنی عشریہ طبع کیا اور اب ۱۳۹۶ھ میں حسین حلمی ایشیق بن سعید استانبولی نے ترکیہ اس کو پھر چھپوایا ہے جو کہ تین سو چھتیس صفحات پر مشتمل ہے جو بھی از اہل علم ہوگا وہ اس کتاب کا دلدادہ اور شاہ عبدالعزیز کے علم وفضل و وسعت معلومات کا دل سے معترف ہوگا۔
حضرت شاہ عبدالعزیز نے بخارا کے دریافت کردہ دس مسائل کا جواب

لکھا ہے اس میں بعض سوالات کا تعلق روافض سے ہے یہ رسالہ فتاوی عزیزیہ کے اواخر میں چھپا ہے شایان دید ہے۔

حضرت مجدد کے رسالہ ردشیعہ کی تعریف حضرت شاہ ولی اللہ نے کی ہے، اس سلسلہ میں شیخ محمد اکرم نے لکھا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے حضرت مجدد کے رسالہ رد روافض کا عربی میں ترجمہ کیا، اس کے شروع میں عہد اکبری کے مذہبی رجحانات پر تبصرہ ہے اور حضرت مجدد کے تمام احسانات و کارنامے ایک ایک کر کے تفصیل سے گنائے گئے ہیں۔[۱]

حضرت قاضی ثناء اللہ نے بھی فارسی میں ایک رسالہ رد روافض لکھا ہے جو کہ موجود ہے۔

روافض نے جو فتنہ حضرت مجدد کے زمانے میں برپا کیا تھا وہ حضرت شاہ ولی اللہ کے دور میں شدت سے برپا ہوا، لہٰذا ان حضرات نے یہ کتابیں لکھیں ہیں اور مسلمانوں کو روافض کے فتنہ سے محفوظ کیا، نیز اسی طرح علامہ ابوالحسن زید فاروقی نے بھی اپنی کتاب حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص۴۶ تا ۴۹ میں ذکر کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

مکتوبات امام ربانی علیہ الرحمہ:

حضرت مولانا محمد عبدالشکور صاحب مدظلہ نے اپنے مقالہ کے آخر میں (جو گذشتہ صفحہ پر ختم ہوا ہے) امام ربانی کے باقیات صالحات کے ذیل میں آپ کے مکتوبات قدسیہ کا ذکر فرمایا ہے، ان مکتوبات کے بارے میں کچھ تفصیلات مزید تعارف کے لیے ذیل میں درج کی جارہی ہیں، یہ مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری کے مقالہ سے ماخوذ ہیں جو مجدد نمبر ''الفرقان'' میں شائع ہوا تھا۔

---

[۱] دور کوثر ص۲۷۹۔

امام ربانی کے مکتوبات کے تین دفتر ہیں سب سے بہتر اور دید زیب ایڈیشن وہ ہے جس کو خاص الخاص اہتمام سے مطبع مجددی امرتسر نے ۱۳۳۳ھ میں شائع کیا تھا، اس پر نہایت مفید حواشی بھی ہیں اور تصحیح کا بھی حق ادا کر دیا گیا ہے یہ فلسکیپ سائز کے ۱۲۶۲ صفحات پر ختم ہوا ہے۔

دفتر اول:

موسوم بہ دارالمعرفت ہے اس میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں اس کے جامع خواجہ یار محمد جدید بدخشی طالقانی ہیں، جو حضرت مجدد صاحب کے مرید ہیں، ان کے نام کے ساتھ ''جدید'' کا لفظ اس لیے لگا کہ ایک اور صاحب بھی امام موصوف سے مرید ہو چکے تھے، اتفاق سے ان کا نام بھی یار محمد تھا، فرق کرنے کے لیے ان کو ''قدیم'' کہتے تھے، اور ان کو جدید، دوسرے دفتر کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ جب حضرت امام نے سنا کہ ۳۱۳ مکتوبات جمع ہو چکے ہیں تو ارشاد فرمایا کہ چونکہ ۳۱۳ کا عدد ایک مبارک عدد ہے کیونکہ حضرات پیغمبران مرسلین علیہم السلام کا بھی یہی عدد ہے اور حضرات صحابہ اہل بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہی عدد ہے، اس لیے اس دفتر کو اسی مبارک عدد پر تیمناً ختم کردو۔

دفتر دوم:

موسوم بہ نور نور الخلائق ہے یہ تاریخی نام ہے اس سے ۱۰۱۹ھ نکلتا ہے جو اس کے جمع کی تاریخ ہے اس میں کل ۹۹ مکتوبات ہیں، اس کے جامع خواجہ عبدالحیٔ علیہ الرحمہ ابن خواجہ چاکر حصاری مرید حضرت مجدد صاحب ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ مخدوم زادہ یعنی شیخ مجدد الدین عرف خواجہ محمد معصوم (صاحبزادے حضرت مجدد صاحب) کے حکم سے ان مکتوبات کو جمع کیا ہے، تیسرے دفتر کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ جب ۹۹ کے مبارک عدد کے برابر مکتوبات جمع ہو گئے تو دوسرے دفتر کو تبرکاً اس پر ختم کر دیے گیا کہ اسمائے حسنیٰ کا عدد ہے۔

دفتر سوم:

موسوم بہ معرفۃ الحقائق ہے، اس میں کل ۱۲۴ مکتوبات ہیں، اس کے جامع خواجہ محمد ہاشم مدبر حضرت مجدد صاحب ہیں، انھوں نے ۱۰۳۱ھ میں حضرت امام کے پاس ان مکتوبات کو جمع کیا جامع نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس میں سورہ ہائے قرآن کے عدد کے موافق ۱۱۴ مکتوبات ہیں مگر ہیں دراصل اس میں ۱۲۴ مکتوبات، مکتوبات صفحہ ۱۱۵ پر حاشیہ میں لکھا ہے کہ آگے کے نو مکتوبات ''شاید بعد ازا بمعرض تسوید آمدہ باشد و ملحق شدہ فانہم، اس طرح ۱۲۳ مکتوبات ہوئے، پھر مکتوبات صفحہ ۱۲۴ کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ ابن مکتوب در بضعے نسخ خطیہ یافتہ شد۔

حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ نسبت بہ ایں مکتوب فرمودہ اند کہ آں مکتوبات داخل جلد ہائے مکتوبات قدسی آیات شدہ، غرض کل ۵۳۶ مکتوبات ہیں، جن میں ۲۰ مکتوبات وہ ہیں جو حضرت مجدد صاحب نے اپنے پیر کو لکھے ہیں دو یا تین مکتوبات اپنی کسی مریدہ عورت کو بہ عنوان بہ یکے از صالحات لکھے ہیں، ایک خط سلطان وقت (غالباً سلطان نورالدین جہانگیر کو) ایک مکتوب ہردے رام کسی ہندو کو بقیہ اپنے معاشرین معتقدین و مریدین کو ان میں سے اکثر مکتوبات کی حیثیت آج کی اصطلاح میں ''مقالات'' کی سی ہے، بعض مکاتیب ایسے بھی ہیں کہ اگر کتابی سائز پر چھاپے جائیں تو کئی کئی جز میں آئیں گے، (مکاتیب کے مضامین کی رفعت جامعیت اور افادیت اور تاثیر و طاقت کا اندازہ ان کے ان اقتباسات پورا پورا لگایا جاسکتا ہے جن سے اس مجموعہ کے صفحے بھرے ہوئے ہیں۔

وصال میں اتباع:

جب آپ نے اپنی ساری زندگی اتباع مصطفیٰ میں گذاری تو ''وصال'' میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو حضور کی متابعت سے سرفراز فرمایا اور آپ کی وفات

کے وقت وہ ہی حالات اور واقعات رونما ہوئے جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مبارک کے وقت ظہور پذیر ہوئے تھے، ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

وصال کی خبر:

آنخضرت صلی اللہ علیہوسلم نے اپنی وفات سے پہلے ہی اپنے وصال الٰہی کی خبر صحابہ کرام کو دے دی تھی چنانچہ منٰی میں جمعۃ الوداع کے موقع پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں آپ نے واضح طور پر اپنی وفات کی خبر دیتے ہوئے فرمایا۔

''اے لوگو! مجھ سے مناسک حج سیکھ لو، شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کرسکوں''۔[۱]

اسی طرح حضرت امام ربانی جب اپنے آخری ایام اپنے صاحبزادے خواجہ محمد سعید کو معارف وحقائق کی تعلیم دینے لگے تو آپ کے صاحبزادے نے آپ کی نقاہت اور آپ کے ضعف کو دیکھتے ہوئے عرض کیا کہ اس وقت رہنے دیجئے کسی اور وقت میں جب طبیعت بحال ہو اور فرصت بھی ہو تو ارشاد فرمادیں، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔

''بیٹا! وہ وقت کہاں اور فرصت کیسی؟ جیسا کہ میرے علم میں ہے کہ اگلا وقت ایسا ہوگا جس میں مجھے بیان کی طاقت بھی نہیں رہے گی''۔

جس طرح آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیاری بیٹی حضرت خاتون جنت بی بی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ میری وفات قریب ہے اور یہ سن کر آپ رونے لگی تھیں، اسی طرح آپ نے اپنے دونوں فرزند خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم کو اپنے پاس بلاتے ہوئے فرمایا کہ اب میری عمر ختم ہونے کا زمانہ

---

[۱] زادالمعاد ابن قیم ج۱ ص۴۲۰۔

قریب آ گیا ہے، لہٰذا تم دونوں میرے پاس آ جاؤ جب دونوں آپ کے پاس آ گئے تو ان کو خلعت میں بلا کر فرمایا کہ مجھے اب کسی طرح سے اس دنیا سے وابستگی نہیں رہی، کیونکہ مجھے اس دنیا سے جانا ہے اور جانے کے آثار بھی دکھائی دینے لگے ہیں، اسی طرح شب برأت کو آپ کی اہلیہ محترمہ نے فرمایا معلوم آج کی رات کس کا نام ورق ہستی سے مٹایا گیا ہوگا، اس پر آپ نے اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم تو شک سے کہتی ہو لیکن اس شخص کا کیا حال ہوگا جس نے خود دیکھا ہے کہ اس کا نام دنیا کی زندگی کے صفحہ سے مٹایا گیا ہے۔

وصال سے ایک ماہ پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر طلب فرمایا ان کو دعائے خیر دینے کے بعد ان کو کچھ وصیتیں فرمائیں اور آخر میں فرمایا، اللہ تمہارا محافظ ہو، حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا آپ ہم سے کس وقت رخصت ہوں گے، آپ نے فرمایا تم سے جدائیگی اور جنت میں جانے اور اللہ تعالیٰ تک رسائی کا وقت قریب آ گیا ہے۔[۱]

اسی طرح وصال سے ایک ماہ پیشتر حضرت امام ربانی نے بھی اپنے مخلصین سے فرمایا تھا کہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ چالیس پچاس دنوں کے اندر تمہیں اس جہان فانی سے اس جہاں باقی کی طرف چلے جانا ہے بلکہ ہماری قبر بھی بتادی گئی ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا گورنر مقرر فرمایا تھا تو ان کو طویل نصیحتیں فرمائیں اور پھر فرمایا کہ اگر میری تمہاری دوبارہ ملاقات ہوتی تو میں اتنی لمبی چوڑی وصیت نہ کرتا بلکہ بہت مختصر نصیحت کرتا لیکن اب ہم قیامت تک ایک دوسرے سے نہ مل سکیں گے اور واقعی ایسا ہوا، حضرت معاذ کے یمن میں قیام کے دوران آپ کا وصال ہوگیا۔[۲]

---

[۱] شواہد النبوۃ ص۱۸۶۔ [۲] شواہد النبوۃ علامہ جامی ۱۸۶۔

اسی طرح صاحب زبدۃ المقامات خواجہ محمد ہاشم کشمی کو خیال آیا کہ صوبہ دکن میں بغاوتیں ہورہی ہیں لہٰذا وہاں سے اپنے بچوں کو یہاں لے آؤ، یہ سوچ کر جانے کے لیے حضرت سے اجازت طلب کی اور عرض کیا کہ دعا فرمائیں کہ جلد بچوں کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں، آپ نے اس کے جواب میں آہ کھینچی اور پھر فرمایا دعا کرتا ہوں کہ آخرت میں ہم دونوں یکجا ہو جائیں، یہ ارشاد سن کر مخدوم محمد ہاشم کے ہوش اڑ گئے جیسا کہ حضرت نے فرمایا تھا ویسا ہی وہ ابھی واپس نہیں آئے تھے، کہ حضرت کا یہاں وصال ہو گیا، وصال کے روز رات کو تہجد کے لیے جب آپ اٹھے تو آپ نے نماز تہجد کے بعد اعلان فرمادیا کہ ہماری آخری تہجد ہے اور واقعی ایسا ہی ہوا کہ پھر آپ کی ظاہری زندگی میں دوسری تہجد نہیں آئی اور دوسرے دن آپ کا وصال ہو گیا۔[۱]

وصیت:

جس طرح وصال سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابۂ کرام کو وصیت فرمائی تھی، اسی طرح حضرت امام ربانی نے بھی اپنے اصحاب کو آخیر میں وصیت فرمائی اور جن امور کی وصیت حضور نے فرمائی تھی آپ نے بھی اتباع مصطفیٰ میں اپنے اصحاب کو انہی امور کی وصیت فرمائی، چنانچہ حدیث مبارک میں آتا ہے کہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نے ہمیں نصیحت فرمائی ایسی رقت آمیز نصیحت تھی کہ لوگوں کے دل دہل گئے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ تو ابھی نصیحت آپ فرما رہے ہیں جیسے کوئی اختلاف کثیرہ دیکھے گا، لہٰذا تم میری اور میرے خلفائے راشدین مجتہدین کی سنت کے راستوں کو مضبوطی سے پکڑ لینا اور نئی نئی باتوں سے بچنا کیونکہ بدعتیں گمراہی ہیں۔[۲]

---

[۱] زبدۃ المقامات ص ۳۷۹/۳۸۲/۳۸۴/۳۸۶/۳۸۸/۳۸۹۔ [۲] سنن ترمذی/ابوداؤد۔

حضرت امام ربانی نے ساری زندگی سنت پر عمل کرتے ہوئے بسر کی اور آخر میں مرض وفات کے اندر جب غش سے افاقہ ہوا تو آپ نے اتباع مصطفیٰ میں اپنے احباب کو بھی اسی کی نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ سنت کو بہت مضبوطی کے ساتھ پکڑنا بدعت سے اجتناب کرنا اور ہمیشہ ذکر وفکر اور مراقبہ میں مشغولیت اختیار کیے رہنا۔[1]

شوق لقائے الٰہی:

آخری ایام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر شوق لقائے الٰہی کا اتنا غلبہ تھا کہ جب صحابۂ کرام نے آپ کو دوا پلائی تو آپ نے دوا پینے سے انکار کر دیا۔[2]

اپنے نبی کی اتباع میں آپ کے شوق لقائے الٰہی کا بھی یہ عالم تھا کہ آپ فرماتے تھے اگر کوئی طبیب مجھ سے یہ کہہ دے کہ تمہارا یہ مرض اب علاج پذیر نہیں ہے تو میں شکریہ کے طور پر فقرا میں روپے تقسیم کروں۔

جس طرح آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ''**اَللّٰھُمَّ الرفیق الاعلیٰ**'' کے الفاظ جاری تھے، اسی طرح آخری ایام میں بھی آنکھوں میں آنسو ہوتے اور زبان پر یہی کلمات ہوتے کہ ''**اَللّٰھُمَّ الرفیق الاعلیٰ**'' ایک روز صاحبزادگان نے گریا کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ ''شوق وصال'' حضرت ذوالجلال''۔

اسی طرح آخری وقت میں آپ کی عزلت نشینی اور مخلوق سے مکمل انقلاع اور لاتعلقی کے بارے میں جب کسی نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ اب دنیا سے ہماری رخصت اور رحلت کا وقت قریب آ گیا ہے، لہٰذا اب توبہ اور استغفار کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا ضروری

---

[1] زبدۃ المقامات ص ۳۸۹۔ [2] صحیح بخاری، ذکر وفات/صحیح مسلم التداوی بالادویہ۔

ہے اور یہ مقصد بغیر مکمل انقطاع کے حاصل نہیں ہوسکتا، لہٰذا تم سب لوگ مجھ سے الگ اور مجھے اللہ کے حوالے کردو۔

ایک روز صاحبزادگان نے آپ سے عرض کیا کہ آخر یہ ہم سے آپ کی لاتعلقی اور بے التفاقی کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا حق تعالیٰ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے، ہاں البتہ میری شفقت اور اعانت تم لوگوں کے لیے میرے انتقال کے بعد اس دنیا کی شفقت سے کہیں زیادہ ہوجائے گی، کیونکہ اس دنیا میں بعض اوقات علائق بشری اعانت وتوجہ کے لیے مانع ہوجاتے ہیں جبکہ مرنے کے بعد فراغت بھی ہے اور تجدد بھی ہے۔

شوق لقائے الٰہی کی جو چنگاری آپ کے قلب میں لگی ہوئی تھی، آپ کے باربار ''اَللّٰھُمَّ الرفیق الاعلیٰ'' کہنے سے اس کی تپش کا اندازہ ہو رہا تھا، لیکن آخری وقت میں یہ آتش شوق اتنی تیز ہوگئی کہ فراق وجدائیگی میں رات کا کچھ حصہ گزارنا بھی آپ کو مشکل ہوگیا ہے اور آپ کی زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہوگئے کہ ''اصبح لیل'' اے صبح جلد ہوجا کہ محبوب کا جلد وصال نصیب ہوجائے، کیونکہ آپ نے فرمادیا تھا کہ ہماری آخری تہجد ہے گویا کہ آپ کے علم میں تھا کہ وصال صبح کے وقت حاصل ہوگا، اسی لیے آپ اس گھڑی اور وقت کا شدت سے انتظار کررہے تھے اور اس کے لیے اتنی تڑپ اور بے چینی کا اظہار ان الفاظ میں کررہے تھے کہ ''اصبح لیل'' اے رات جلد صبح ہوجا۔

آخری کلام:

بعض روایات میں آتا ہے کہ عین وصال کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر جو آخری کلمات آئے وہ یہ تھے۔

''الصلوٰۃ ومامکت ایمانکم'' نماز اور غلام۔

اللہ تعالیٰ نے اس میں بھی حضرت امام ربانی کو اتباع رسول کی دولت سے سرفراز فرمایا اور آخری وقت میں آپ کی زبان مبارک سے جو آخری الفاظ نکلے وہ بھی نماز ہی کے بارے میں تھے، آپ نے فرمایا، وہ دو رکعت نماز جو ہم نے پڑھی ہے وہ انشاء اللہ کافی ہے، یہ آخری الفاظ آپ نے ادا فرمائے اور ۲۹ ؍صفر ۱۰۳۴ھ بروز منگل آپ اپنے خالق حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔

اہمیت نماز:

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اکرم صل اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو میں نے آپ کے ہاتھ آپ کے سینہ پر رکھ دیے۔[1] گویا کہ نماز کی سی ہیئت بنادی۔

اور وہ ذات جس نے ساری زندگی اتباع مصطفیٰ میں گذار دی اور اپنے نبی کی کسی سنت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا، وہ بھلا اس آخری سنت کو کیسے چھوڑ سکتے تھے، چنانچہ وصال کے بعد آپ نے خود ہی اپنا دایاں دست انور بائیں دست انور پر اس طرح باندھ لیا، جس طرح نماز میں باندھا جاتا ہے، جب غسال نے غسل دیا تو آپ کے ہاتھوں کو سیدھا کر دیا، لیکن جب غسل سے فارغ ہوئے تو وہاں پر موجود احباب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ آپ نے پھر دوبارہ اپنے ہاتھ کو سینہ کے قریب لیجا کر اسی طرح باندھ لیا، جس طرح نماز میں باندھے جاتے ہیں، احباب نے پھر ہاتھ کھولنا مناسب نہیں سمجھا اور اسی نماز کی ہیئت اور حالت میں آپ کو دفن کر دیا گیا، اور آپ ''**ھم فی صلوٰتھم دائمون**'' کی حقیقی تفسیر بن کر اپنے خالق حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔

---

[1] شواہد النبوۃ عان جامی ص ۱۸۷۔

عمر مبارک:

رب کائنات نے دیکھا کہ اس ہمارے بندہ نے ہمارے نبی کی اتباع میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں ہونے دیا، لہٰذا اس کو عمر کے معاملہ میں اتباع رسول سے سرفراز کیا جانا چاہیے، چنانچہ آپ کو ترسٹھ ۶۳ سال کی عمر عطا فرمائی گئی، جو آپ کے آقا حضور سرورکون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی گئی تھی۔

مزار شریف:

آخری مرحلہ قبر کا تھا سو اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور آپ کی متابعت کے فیضان سے سرفراز فرمایا وہ اس طرح کہ حضور کا مزار مبارک اس مقدس زمین پر ہے جو جنت کا ایک ٹکڑا ہے کیونکہ حضور نے فرمایا ''**ما بين بيتي و ممبري روضة من رياض الجنة**'' کہ میرے گھر اور ممبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، امام ربانی مجدد الف ثانی کو بھی اتباع رسول کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اسی خصوصیت سے سرفراز فرمایا، چنانچہ آپ نے اپنی حیات مبارکہ میں اپنے مزار مبارک کی جگہ کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

''مجھے میرے فرزند محمد صادق کی قبر کے برابر دفن کیا جائے گا کہ اس زمین میں جو داخل احاطہ ہے میں نے جنت کے باغوں میں سے ایک باغ دیکھا ہے۔[۱]

ایک اور مقام پر اس جگہ کی عظمت کو مزید آشکار کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

---

[۱] زبدة المقامات ص۳۹۸۔

''اگر میرے روضہ کی مٹی میں سے ایک مٹھی بھر مٹی کسی قبر میں ڈالدی جائے تو بفضلہٖ تعالیٰ رحمت عظیم کی امید ہے۔

آپ کا شہر مبارک:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ کے نور سے مدینہ کی درو دیوار اس طرح روشن ہوگئیں، جس طرح طلوع آفتاب سے روشن ہوتی ہو۔[۱]

وہ ذات جس کے لیے رب نے قرآن میں فرمایا ''**قد جاء کم من اللّٰہ نور**''، تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آ گیا وہ نور جب مدینہ پر جلوہ گر ہوا تو یہ شہر ''مدینہ منورہ'' بن گیا اور نور مصطفیٰ سے روشن ومنور ہو گیا، تو پھر وہ ذات جو اتباع کر کے اس نور مجسم کا مظہر اتم بن گئی ہو وہ جس شہر میں جلوہ گر ہو گی وہ شہر پھر کیوں نہ بقعہ نور بنے گا، اللہ تعالیٰ آپ کو اس معاملہ میں بھی متابعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز کرتے ہوئے آپ کے شہر کو ''نور'' سے روشن اور منور کر دیا، چنانچہ آپ اپنے مکتوب گرامی میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے کرم سے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں شہر سرہند جو کہ میری جائے پیدائش ہے، گویا کہ ایک گہرا کنواں تھا جسے پر کر کے ایک اونچا چبوترہ کیا گیا ہے اور وہ اکثر شہروں اور بستیوں سے بلند درجہ پر ہے اور اس زمین میں ایسا نور امانت رکھا گیا ہے کہ جو بے کیف اور بے صفت نور سے مقتبس ہے اور اس نور کی طرح ہے جو بیت اللہ شریف کی مقدس زمین سے روشن اور ظاہر ہوتا ہے ایک عرصہ بعد ظاہر ہوا کہ وہ نور اس فقیر کے انور قلبیہ کا ایک لمعہ ہے جیسے اس سے اقتباس کر کے اس زمین میں روشن کیا گیا ہے جس طرح ایک مشعل سے

---

[۱] جذب القلوب الی دیار المحبوب شیخ عبدالحق ص ۷۱۔

کوئی چراغ روشن کیا جاتا ہے۔ نیز اسی طرح ڈاکٹر محمد زبیر نے بھی اپنی کتاب امام ربانی اتباع رسول گرامی ۱۴۰ تا ۱۴۵ میں ذکر کیا ہے۔

واقعہ:

خوش نصیب افراد حضرت مجدد سے برابر مستفید ہو رہے ہیں، اس سلسلہ میں دو واقعات لکھے جاتے ہیں۔

(۱) حضرت حافظ محمد ہاشم مجدد نے دوشنبہ ۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۴ھ ۱۴ر ستمبر ۱۹۶۴ء میں کوئٹہ بلوچستان میں بیان کیا کہ ایک جلسہ میں میری ملاقات مولانا سید سلیمان ندوی سے ہوئی، وہ مجھ سے بڑی محبت سے ملے اور مجھ کو اپنا یہ واقعہ سنایا۔

میرے تین دوست اپنی موٹر میں لاہور سے دہلی آئے، مراجعت کے وقت اصرار کر کے مجھ کو اپنے ساتھ لیا، جب سرہند پہنچے وہ زیارت و فاتحہ کے لیے حضرت امام کے روضہ پر گئے چوں کہ مجھ کو اس زمانے میں بزرگان دین سے لگاؤ نہ تھا، میں برائے فاتحہ نہ گیا بلکہ مسجد شریف کی دیوار پر بیٹھ گیا، جو کہ ایک گز اونچی اور ڈیڑھ فٹ چوڑی رہی ہوگی، میرا منہ گنبد کی طرف تھا میں نے دیکھا ایک شخص اکہرے بدن کے، کشیدہ قامت، نورانی چہرہ، قدرمسنوں بال زیادہ سیاہ اور کم سفید، سر پر دستار رکھے میرے پاس تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا ''تم فاتحہ پڑھنے کیواسطے نہیں گئے'' میں نے بہ جواب ''جی ہاں'' کہا انھوں نے اپنی نظریں اٹھا کر مجھ کو دیکھا اور پھر وہ میری نظروں سے غائب ہوگئے اور میں بیہوش ہوگیا جب میرے رفقا فاتحہ پڑھ کر آئے انھوں نے مجھ کو اٹھایا اور مجھ کو ہوش آیا، میرا یہ خیال ہے کہ حضرت امام بہ مشکل مثالی مجھ پر ظاہر ہوئے تھے، آپ کی نظر کیمیا اثر نے میرے خیالات پر اثر ڈالا اور اس دن سے میرے خیالات بدلنے شروع ہوئے۔

دیدم بہ خواب خوش کہ بہ رستم پیالہ بود
تعبیر رفت وکار بہ دولت حوالہ بود
آں نانۂ مراد کہ می خواستم رنجت
درچیں زلف آں بت مشکیں کلالہ بود
از دست بردہ بود وجودم خمار عشق
دولت مساعد آمد ومی در پیالہ بود
نہر کہ بکاشت نہر زخوبی گلے بجید
دردہ گزار یادانگہان لالہ بود
''خدا رحمت کند ابن عاشقان پاک طینت را''

اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی محبت سے ہمارے دلوں کو معبور رکھے اور ان کے فیوض وبرکات سے ہم کو مستفید کرے۔

حضرات ائمہ دین اور اولیائے رب العلمین، دین برحق کے عاشق وشیدا تھے، ان نیک بندوں کی اپنی کوئی خواہش نہ تھی اگر طلب تھی تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی تھی، ان کے پیش نظر ہر وقت سردار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد رہا کرتا تھا۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبْعاً لِمَا جِئْتُ بِهِ[۱]

ترجمہ: تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک مومن (ایماندار) نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے پیرو (تابع) نہ ہو۔

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر معتصم عباسی کے حکم سے کوڑے پڑتے رہے بدن لہولہان ہوگیا دوران سزا دو مرتبہ معتصم ان کے پاس آیا اور کہا ''وَیُحَکَ اَجِبْنِیْ اِلٰی شَیْءٍ لَکَ فِیْهِ اِدْنٰی فَرَجٍ حَتّٰی اُطْلِقَ عَنْکَ بِیَدِیْ'' افسوس ہے تم پر تم مجھ سے ذراسی ڈھیلی بات کہہ دو تاکہ میں اپنے ہاتھوں سے تمہارے بند کھولدوں''

---

[۱] مشکلات، باب الاعتصام بالکتاب وسنۃ فصل دوم۔

آپ نے یہی جواب دیا، "یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اعطُوْنِیْ شَیْئًا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ اَوْ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" اے امیرالمومنین! آپ قرآن یا حدیث سے کوئی سند مجھ کو دے دیں تا کہ میں یہ بات کہہ سکوں۔[۱]

حضرت مجدد کے خلاف امرائے دربار نے سازش کی، **عبید الدراھم والدنانیر والجاہ** نے کفر کا فتویٰ لکھ کر آپ کو واجب القتل قرار دیا اور جہانگیر سے جب کہ وہ قہر وغضب اور سکر (بے ہوشی) کے احوال میں تھا کہا گیا، آپ ان کی گستاخی ملاحظہ کریں کہ انھوں نے نہ آپ کو سجدہ کیا اور نہ وہ تعظیم بجائے جو عام طور پر ایک دوسرے کی آپس میں کی جاتی ہے (دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر سر جھکانا) مفسدوں کو یقین تھا کہ جہانگیر آپ کو قتل کرادے گا، لیکن اللہ کی نعمتوں ورحمتوں نے آپ کو بچایا اور آپ کو گوالیار کے قلعہ میں محبوس کرادیا۔

یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ہتھیلی پر جان لیے پھرتے تھے، سردار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شوق کا بیان ان الفاظ سے کیا ہے، "**لَوُدِدْتُ ان اُقْتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتِلَ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتِلَ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَل**.[۲]

تمنا رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر جلا دیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں پھر جلا دیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں پھر جلایا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں" اور ان حضرات کے بارے میں کسی نے اور خوب کہا ہے۔

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند
فرزند وعیال وخان و ماں را چہ کند
دیوانہ کنی مرد و جہاں لش بخشی
دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

---

[۱] طبقات الشافعیۃ الکبریٰ جلد اول صفحہ ۲۱۳۔ [۲] اس میں ڈاکٹر رضوی کی تحقیقات ہیں۔

بھلا ان پاکیزہ نفوس کو لینن اور ماؤ کے نظریات سے کیا تعلق، البتہ جو افراد اکبر کی طرح مفتاح سعادت کھو بیٹھے ہیں، اگر لینن اور ماؤ کے نظریات کی تحسین کریں تو کوئی بڑی بات نہیں، کیوں کہ ان کو ہر جگہ اباحت کے ابواب کھلے ملیں گے ان کو نہ ''شریعت کے طواہر'' کی شکایت رہے گی اور نہ ''روزے نماز کی پابندی'' کا ڈر''اور نہ فرقہ وارانہ زہر کا انجکشن'' تلاش کرنا پڑے گا اور نہ ''حسد کے جذبہ سے تعلق رہے گا۔[۱]

اب چند سال سے نو خاستہ محققین نے ''وحدت ادیان'' کا نعرہ بلند کیا ہے اور ان کو مستشرقین کی حمایت بھی حاصل ہوگئی ہے، جدت پسند افراد کے لیے یہ نعرہ شاید دلچسپی کا سامان فراہم کرے لیکن جن کو اپنے مذہب سے لگاؤ ہے ان کے پیش نظر یہ ارشاد رب العزت ہے۔

يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوْا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ [۲]

ترجمہ: اے کتاب والوں آؤ ایک سیدھی بات پر ہمارے تمہارے درمیان کی کہ بندگی نہ کریں مگر اللہ کی، اور شریک نہ ٹھہرائیں، اس کی کوئی چیز اور نہ پکڑیں آپس میں ایک دوسرے کو رب سوا اللہ کے، پھر اگر وہ قبول نہ رکھیں تو کہہ دو شاہد رہو (گواہ رکھو) کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔

یعنی ہم تابع فرمان ہیں، ''کیوں اور کس لیے'' سے ہم کو بحث نہیں۔

فَاِنْ قَالَ لِیْ مُتْ سَمْعاً وَ طَاعَةً
وَقُلْتُ لِدَاعِي الْمَوْتِ اَهْلاً و مَرْحَباً

اگر مجھ کو مرنے کے لیے کہا جائے تو فرشتۂ موت کو خوش آمدید کہتا ہوا مروں۔

---

[۱] اس میں بھی پروفیسر ایم مجیب کے ارشادات اور ڈاکٹر رضوی کی تحقیقات ہیں۔

[۲] سورۃ آل عمران آیت ۶۴۔

اسلام نے ایک ایک سیدھی بات کی دعوت دی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، شرک سے دور رہیں، کسی کے غلام نہ بنیں کسی کو خوش کرنے کے لیے اپنے مولیٰ جل شانہ کو اور اپنے مذہب کو نہ بھولیں، حضرت مجدد نے اپنے مبارک مکتوبات میں بہت تاکید فرمائی کہ بندہ کو چاہئے کہ اپنی خواہشات کو نیست و نابود کرے کیونکہ در یک آرزو ابلیس تست اور ارشاد کیا کہ لاالہ سے تمام خواہشات کی نفی کرنی چاہئے کیونکہ خواہشات معبودات باطلہ کی صف میں ہیں۔

مع ہٰذا اسلام دین یسر ہے سراسر خیر و برکت ہے دینی اور دنیوی سعادت کا حامل ہے۔

اسلام بہ ذات خود نہ وارد عیبے
ہر عیب کہ ہست در مسلمانی ماست

جس شخص کو ایسا بے مثال مذہب مل گیا وہ دوسرے مذاہب کی طرف کیوں دیکھے۔

آں را کہ دوسرائے نگاریست فارغ است
از باغ و بوستاں و تماشائے لالہ زار

(حضرت مجدد اور ان کے ناقدین ص ۲۴۸ تا ۲۵۱، علاوہ ازیں دیگر کتب کثیر)

رَبَّنَا لَاتُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْهَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّاب؛ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَاناً لَایُرْتَدُّ وَنِعْمَةً لَا تَنْفَدُ وَمُرَافَقَةَ نَبِیِّکَ فِیْ الْجَنَّةِ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِ الْعٰلَمِیْنَ

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیری بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں

☆☆☆

امام
احمد رضا
علیہ الرحمہ

منقبت

درشان اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ

عشق احمد کا مظہر بریلی میں ہے
سنیت کا وہ دفتر بریلی میں ہے
ہم پہ احسان احمد رضا کا رہا
علم و حکمت کا پیکر بریلی میں ہے
عشق کی بھیک لینا ہو جلدی چلو
ہم غلاموں کا سرور بریلی میں ہے
جو جلتے ہیں جلتے رہیں گے سدا
ان کی ذلت کا خنجر بریلی میں ہے
حسنیؔ پوچھے کوئی ان کا روضہ کہاں
روضۂ پاک انور بریلی میں ہے

☆☆☆

اعلیٰ حضرت کا خاندان اور نسب نامہ:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بن حضرت مولانا نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں بن مولانا حافظ کاظم علی خاں بن مولانا شاہ محمد اعظم خاں بن حضرت محمد سعادت یار خاں بن حضرت محمد سعید اللہ خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

(۱) حضرت محمد سعید اللہ خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قندھار (ملک افغانستان) کے باعظمت قبیلہ بڑھیچ کے پٹھان تھے، حکومت مغلیہ کے زمانے میں لاہور تشریف لائے اور معزز عہدوں پر فائز رہے، لاہور کا شیش محل انھیں کی جاگیر تھا، پھر وہاں سے دہلی تشریف لائے، اس وقت آپ شیش ہزاری عہدے پر فائز تھے، دربار شاہی سے آپ کو شجاعت جنگ کا خطاب ملا۔

(۲) حضرت محمد سعادت یار خاں علیہ الرحمۃ والرضوان کو حکومت مغلیہ نے ایک جنگی مہم سر کرنے کے لیے روہیکھنڈ بھیجا، فتحیابی کے بعد فرمان شاہی پہنچا کہ آپ کو اس علاقہ کا صوبہ دار بنایا گیا ہے لیکن اس وقت آپ بستر وصال پر تھے اور سفر آخرت کی تیاری فرما رہے تھے۔

(۳) حضرت مولانا محمد اعظم خاں علیہ الرحمۃ والرضوان بریلی تشریف فرما ہوئے، کچھ دن حکومت کے عہدہ وزارت پر فائز رہے پھر امور سلطنت بالکل الگ ہوکر عبادت و ریاضت میں مشغول رہنے لگے، آپ نے ترک دنیا فرما کر شہر بریلی کے محلّہ معماران میں اقامت اختیار فرمائی وہی مزار پاک بھی ہے، آپ کا شمار صاحب کرامات اولیا میں ہے۔

(۴) حضرت مولانا حافظ کاظم علی خاں علیہ الرحمہ شہر بدایوں کے تحصیلدار تھے، اس زمانے کا یہ عہدہ آج کل کے ڈی، ایم کے منصب کا قائم مقام ہے، دوسو سوار ونکی بٹالین آپ کی خدمت میں رہا کرتی تھی آپ کو آٹھ گاؤں معافی جاگیر میں ملے تھے۔

(۵) قطب الوقت مولانا شاہ رضا علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے بے مثل عالم اور ولی کامل گزرے ہیں، اعلیٰ حضرت کے خاندان میں آپ ہی کے وقت کی حکمرانی کا رنگ ختم ہوکر فقر و درویشی کا رنگ غالب آ گیا ورنہ آپ سے پہلے بزرگوں کا عالم تھا کہ شروع میں امور سلطنت کے عہدوں پر فائز رہتے پھر آخر میں اس سے الگ ہوکر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاتے لیکن یہ سلسلہ حضرت مولانا رضا علی کی ذات سے ختم ہوگیا، چنانچہ آپ نے دنیوی حکومت کا کوئی عہدہ اختیار نہ فرمایا اور ابتدا ہی سے زہد وتقویٰ، فقر وتصوف کی زندگی گزاری، آپ کی ذات گرامی سے بہت سی کرامتیں ظہور میں آئی ہیں۔

(٦) حضرت مولانا نقی علی خاں رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد رضا علی خاں سے علوم ظاہری باطنی حاصل کیے آپ اپنے زمانے کے جلیل القدر عالم بے مثل مناظر بے نظیر مصنف گزرے ہیں، آپ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپ کو حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی وخدمت اور حضور انور کے دشمنوں پر غلظت وشدت کے لیے پیدا فرمایا تھا۔[۱]

بچپن کا واقعہ:

اعلیٰ حضرت کے بچپن کا ایک واقعہ قابل غور ہے کہ ایک بار استاذ مشفق بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ ایک طالب علم نے آ کر السلام علیکم کہا، استاذ نے جواب دیا ''جیتے رہو'' اعلیٰ حضرت نے برجستہ کہا حضرت! یہ تو جواب نہ ہوا، آپ بھی جواباً سلامتی بھیجتے، مولوی صاحب نے فوراً کہا ''وعلیکم السلام'' اور آپ کی بروقت تنبیہ پر دعائیں دیں۔

اعلیٰ حضرت کا یہ کمال حیران کن ہے مگر آج بڑی بڑی لچھے دار تقریریں اور

---

[۱] حوالہ امام احمد رضا اور ان کے مخالفین ص ۹۳، ۹۴۔

وعظ و نصائح کرنے والے اکثر علماء کو یہ بھی علم نہیں کہ السلام علیکم کے جواب میں ''وعلیکم السلام'' کی بجائے دوسرا لفظ بول دیا جائے تو سلام کا جواب نہیں ہوتا، لیکن اعلیٰ حضرت نے بچپن ہی میں مسئلہ کی حقیقت بتادی اور حدیث کا مضمون بھی سنادیا، جب امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حقیقت ہے تو ان کے نائب میں حدیث دانی کا یہ جوہر کیوں نہ ہو کہ زمانہ طفولیت ہی سے آثار حدیث دانی نمودار ہونے لگے، اس قسم کے بیسیوں واقعات ملتے ہیں، یہاں صرف ایک واقعہ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر عرض کردیا ہے اندازہ فرمایئے کہ جس بندۂ خدا کا عالم طفولیت میں حدیث دانی کا یہ عالم ہو تو سن رشد اور زمانہ مجددیت میں کیا رنگ ہوگا؟ چنانچہ اس کا مختصر سا خاکہ ابھی آپکے سامنے آجائے گا جیسا کہ آپ پر لکھی گئی کتاب ''مولانا احمد رضا خاں'' مطبوعہ فیروز مٹر لاہور اور حیات اعلیٰ حضرت کا مطالعہ کریں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کسی دارالعلوم یا یونیورسٹی میں داخل نہیں ہوئے بلکہ اپنے گھر پر ہی علوم وفنون حاصل کیے، اسی طرح حدیث کی سند بھی پہلے آپ نے اپنے والد ماجد سے پھر اپنے پیر ومرشد سیدنا آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی، مزید براں دیارعرب جاکر کئی ایک بزرگان دین سے بھی سندات حاصل کئے جن کا ذکر تصنیف ''الاجازات المیتة لعلماء بکة والمدینة'' میں مفصل بیان ۷۷سوانح امام احمد رضا ۳۷۰تا ۳۷۵ء میں مذکور ہے، نیز اسی طرح مولانا ابوصالح محمد فیض احمد اویسی نے اپنی تصنیف امام احمد رضا اور علم حدیث میں ذکر کیا ہے۔

آپ کی ولادت:

اعلیٰ حضرت کی ولادت باسعادت (پیدائش) دس شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴؍جون ۱۸۵۶ء موافق ۱۱؍جیٹھ سدی ۱۹۱۳ء سمبت روز شنبہ ظہر کے وقت شہر بریلی

شریف محلّہ جسولی میں ہوئی، پیدائشی نام ''محمد'' اور تاریخی نام ''المختار'' ہے جد امجد مولانا رضا علی علیہ الرحمہ نے آپ کا اسم شریف احمد رضا رکھا، خود اعلیٰ حضرت نے اپنی ولادت کا سن ہجری اس آیت کریمہ سے نکالا ہے۔

اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ

۱۲۷۲ ھ

یعنی یہ وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے ''لَاتَجِدُ قَوْماً یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْا آبَآءَ ھُمْ اَوْ اَبْنَآءَ ھُمْ اَوْ اِخْوَانُھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ''[1]

یعنی تو نہ پائے گا انھیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں کہ ان کے دل میں ایسوں کی محبت آنے پائے جنھوں نے خدا و رسول سے مخالفت کی ہے چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہی کیوں نہ ہو یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی۔

آیت کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص اللہ و رسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کے دشمنوں سے نفرت کرے گا، ان سے بیزار ہوکر تنکا توڑ الگ رہے گا، ان سے میل جول دوستی نہ رکھے گا تو اس کے لیے وعدہ الٰہیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ایمان نقش فرما دے گا اور اس کو اپنی مدد خاص سے نوازے گا، اپنے اور غیر سب جانتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت کی ذات گرامی خدا اور رسول کے مخالفوں اور دشمنوں سے نفرت کرنے اور بیزار رہنے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، لہٰذا یہ

---

[1] سورۂ مجادلہ پارہ ۲۸ ع ۳ آیت ۲۱۔

کہنا بالکل بجا اور درست ہے کہ اعلیٰ حضرت خدائے تعالیٰ کے ان خاص بندوں میں ہیں جن کے دلوں میں خدائے تعالیٰ نے ایمان نقش فرما دیا ہے، چنانچہ خود اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے کہ اگر میرے دل کے دو ٹکڑے کر دیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ** اور دوسرے پر لکھا ہوگا **مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ** (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم)

یوں تو بہت سے مولویوں، لیڈروں، پیروں اور عالموں کی بھی ولادت ۱۲۷۲ھ میں ہوئی ہوگی لیکن اگر آپ اعلیٰ حضرت کی پاکیزہ زندگی پر ایک نظر ڈالیں تو بیساختہ کہہ اٹھیں گے کہ آیت کریمہ

اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ

۲ ۷ ۲ ۱ ھ

کا تاج کرامت اعلیٰ حضرت کے سر اقدس پر کتنا پر زیب ہے۔

(بحوالہ امام احمد رضا اور ان کے مخالفین)

حضرت امام احمد رضا:

جیسا کہ میں نے اس سے قبل ذکر کیا کہ امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہ العزیز ۱۰/شوال ۱۲۷۲ھ/۱۴/جون ۱۸۵۶ء میں انڈیا کے شہر بریلی میں پیدا ہوئے۔

(۱) آپ نے صرف ۱۳/سال ۱۰/ماہ اور ۵/دن میں یعنی ۱۴/شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ/ ۱۸۶۹ء میں اپنے والد ماجد حضرت علامہ مولانا مفتی محمد نقی علی خاں قادری برکاتی بریلوی (المتوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) ابن مولانا مفتی رضا علی خاں قادری بریلوی (المتوفی ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء) کی درسگاہ سے سند فراغت حاصل کر لی اور اسی دن مسئلہ رضاعت پر پہلا فتویٰ لکھ کر خدمت دین کی ذمہ داری سنبھال لی۔

(۲) اور پھر مسلسل ۵۵؍ برس تک دین اسلام کی قلمی (علم) خدمت انجام دیتے رہے، جس کے دوران آپ نے ۷۰؍ سے زیادہ مختلف علوم وفنون پر ہزاروں فتوے اور ہزار سے زیادہ چھوٹی بڑی کتب یادگار چھوڑی ہیں۔

(۳) امام احمد رضا محدث بریلوی کے جدامجد حضرت علامہ مفتی رضا علی خاں بریلوی نے اپنے خاندان میں ''مسند افتاء'' کی بنیاد ۱۲۵۰ھ میں رکھی تھی۔

(۴) جس کی چھٹی پشت بھی مسلسل یہ خدمت انجام دے رہی ہے، آج بریلی کے مرکزی دارالافتا میں مفتی سبحان رضا خاں قادری برکاتی بریلوی ابن مفتی ریحان رضا خاں قادری بریلوی (م۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء) ابن مفتی ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی (م۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء) ابن مفتی محمد حامد رضا قادری بریلوی (م۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) ابن مفتی امام احمد رضا برکاتی محدث بریلوی یہ خدمت انجام دے رہے تھے۔

(۵) امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس مسند سے مسلسل ۵۵؍ برس تک رشد و ہدایت اور فتوی نویسی کا سلسلہ جاری رکھا، اس کے علاوہ آپ کی حیات میں آپ کے چھوٹے بھائی مولانا مفتی محمد رضا خاں بریلوی (م ۱۹۳۹ء) بھی فتوی نویسی فرماتے رہے۔

(۶) اور آپ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا مفتی مصطفیٰ رضا خاں نوری بریلوی (م۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) نے بھی مسلسل ۸۰؍ برس فتوی نویسی کی خدمت انجام دی ہے۔

(۷) اور آج بریلی شریف میں مفتی سبحان رضا کے علاوہ امام احمد رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ کے شہزادے سرکار مفتی اعظم ہند کے نواسے تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں قادری الازہری بھی مسلسل ۲۵؍ سال سے اسی دارالافتاء میں مرکزی مفتی کی حیثیت سے بریلی شریف میں خدمت انجام دے

رہے ہیں آج بحمدللہ اس بریلوی خاندان سے فتویٰ نویسی کی خدمت کو لگ بھگ پونے دوصدیاں گزر چکی ہیں، احقر کی معلومات کے مطابق برصغیر پاک و ہند میں یہ امتیازی شان کسی علمی خانوادے کو حاصل نہیں ہے، یہ اللہ کا بڑا فضل ہے جو اس خاندان کو حاصل ہے۔

(۸) امام احمد رضا خاں نے اپنی ہزار سے زائد تصنیفات و تالیفات میں مجتہدانہ صلاحیت رکھ کر عالم اسلام کے مسلمانوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور مندرجہ ذیل آیت مبارکہ کی تفسیر اور نشانی بن گئے۔

فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔[۱]

چنانچہ آپ سے سوال کرنے والوں میں عام لوگوں کے علاوہ علما و مشائخ، سائنسداں، اسکول، کالج، یونیورسٹی کے اساتذہ، دانشور حضرات، وکلا اور جج صاحبان بھی شامل تھے، آپ کے پاس بلاد اسلامیہ اور دیگر کئی ممالک سے استفتاء آئے مثلاً افغانستان، عراق، چین، برما، سیلون، ساؤتھ افریقہ، نیپال، بھوٹان، بنگلہ دیش، پرتگال وغیرہ، پاکستان کے بھی تمام صوبوں سمیت کشمیر گلگت اور سوات دور دراز علاقوں سے بھی استفتاء آپ تک پہنچے، آپ سے تقریباً تمام ہی علوم وفنون سے متعلق سوالات پوچھے گئے اور آپ نے ان علوم وفنون کی مناسبت سے مدلل جوابات تحریر فرمائے، ان سوالات کے جوابات پانچ مختلف انواع میں دیے گئے ہیں، یعنی اردو، فارسی اور عربی نثر کے علاوہ منظوم فارسی اور منظوم اردو میں بھی آپ نے جوابات تحریر کیے (۹) ان تمام خوبیوں اور خدا داد صلاحیتوں کے باعث جلد ہی مرجع خلائق بن گئے، چنانچہ ہر کوئی آپ ہی کی طرف رجوع کرتا نظر آتا ہے، وقت نے آپ کی تحریر کو حجت بنا دیا، آپ کو کبھی بھی اپنی تحریر واپس لینے کی ضرورت نہیں

---

[۱] کنزالایمان۔

پڑی، کیونکہ آپ نے فیصلہ لکھتے وقت کبھی دین کے اصولوں سے انحراف نہیں کیا، چنانچہ اس کا اقرار آپ کے ایک ہم عصر مورخ خواجہ حسن نظامی نے بھی کیا، آپ لکھتے ہیں:

''بریلی کے مولانا احمد رضا خاں صاحب جن کو ان کے معتقد ''مجدد مأتہ حاضرۃ'' کہتے ہیں درحقیقت طبقۂ صوفیائے کرام میں بہ اعتبار علمی حیثیت کے منصب مجدد کے مستحق ہیں، انھوں نے ان مسائل اختلافی پر معرکہ کی کتابیں لکھیں ہیں جو سالہا سال سے وہابیہ کے زیر تحریر و تقریر تھیں، اور جن کے جوابات گروہ صوفیہ کی طرف سے کافی وشافی نہیں دیے گئے تھے ان کی تصنیفات و تالیفات کی خاص شان اور خاص وضع ہے، یہ کتابیں بہت زیادہ تعداد میں ہیں اور ایسی مدلل ہیں جن کو دیکھ کر لکھنے والے کی تبحر علمی کا جید سے جید مخالف کو بھی اقرار کرنا پڑتا ہے، مولانا احمد رضا خاں صاحب جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور یہ ایک ایسی خصلت ہے جس کی ہم سب کو پیروی کرنی چاہئے، ان کے مخالف اعتراض کرتے ہیں کہ مولانا کی تحریروں میں سختی بہت ہے اور بہت جلدی دوسروں پر کفر کا فتویٰ لگادیتے ہیں، مگر شاید ان لوگوں نے شاہ اسمٰعیل دہلوی اور ان کے حواریوں کی دل آزاری کتابیں نہیں پڑھی ہیں جن کو سالہا سال صوفیائے کرام برداشت کرتے رہے، ان کتابوں میں جیسی سخت کلامی برتی گئی ہے اس کے مقابلے میں جہاں تک میرا خیال ہے مولانا احمد رضا خاں صاحب نے ان تک بہت کم لکھا ہے، جماعت صوفیہ علمی حقیقت سے مولانا موصوف کو اپنا بہادر صف شکن سیف اللہ سمجھتی ہے اور انصاف یہ ہے کہ بالکل جائز سمجھتی ہے۔

(۱۰) امام احمد رضا خاں کی مجددانہ اور مجتہدانہ صلاحیتوں کا شہرہ تمام عالم اسلام میں ہیں، علما بھی اپنے علم کی پیاس بجھانے کے لیے آپ ہی کی جانب رجوع کرتے ہیں اور آپ عالم اسلام کے ایسے ہی جلیل القدر مفتی، مفسر، محدث،

محقق اور شیخ کامل تھے، جیسے امام غزالی (م۵۰۵ھ) امام السیوطی (م۹۱۱ھ) امام شعرانی (م۹۷۳ھ) علامہ شامی (م۱۲۶ھ) شاہ ولی اللہ (م۱۱۷۶ھ) اور علامہ عبدالحق محدث دہلوی (م۱۰۵۲ھ) قدس اللہ سراہم اپنے اپنے ادب میں یکتائے زمانہ اور حجۃ الاسلام تھے۔

برصغیر پاک و ہند کی چند نامور ہستیوں کے نام ملاحظہ کریں جو اگرچہ خود اپنی اپنی جگہ ایک بڑا نام اور مقام رکھتے ہیں مگر یہ حضرات بھی اپنے مسائل کے حل کے لیے آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، مثلاً

چیف جج محمد دین، چیف کورٹ ریاست بہاولپور۔

مفتی صدر الصدور عبدالقادر۔

علامہ سید دیدار علی شاہ الودی، بانی ادارہ حرب الحناف لاہور۔

مولانا لطف اللہ علیگڑھ، صدر المدرسین ریاست حیدرآباد دکن۔

مولانا محمد وصی احمد محدث سورتی انصاری، صدر مدرسۃ الحدیث، مزار، پیلی بھیت شریف۔

پروفیسر ڈاکٹر سر ضیاء الدین قادری، وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی۔

پروفیسر حاکم ملی نقشبندی، لاہوری

قاضی قادر بخش، بارکھا بلوچستان۔

مولانا حافظ محمد عبداللہ قادری، خانقاہ قادریہ بھرچونڈی شریف سکھر سندھ۔

مولوی خلیل اللہ پشاوری۔[1]

امام احمد رضا اور علم حدیث:

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ

---

[1] امام احمد رضا اور علمائے لاہور ۱۷ تا ۲۲۔

اللہ تعالیٰ کے ان مقبول بندوں میں سے ہیں جن کی علمی اور عملی تربیت قدرت نے اپنے ذمے لے رکھی، یہی وجہ ہے کہ کثیر التصانیف ہونے کے باوصف موصوف کی تحقیقات سے دیانتدارانہ اختلاف کی گنجائش نہیں، حالانکہ بزعم خویش محققین کی تصانیف میں صدہا غلطیاں موجود ہیں اور پھران کی تصانیف کی تعداد بھی کچھ زیادہ نہیں، اور اس کا انھیں خود بھی اعتراف ہے، لیکن ہمارے ممدوح نے جب اپنے رہوار قلم کا رخ میدان تحقیق کی طرف کیا، تو ان گنت صفحات گہر ہائے معانی سے مزین ہوتے چلے گئے، اغلاط کے متلاشی حریفوں نے موصوف کی تصانیف کے ایک ایک ورق کی چھان بین کی اور بار بار تجسس کیا، لیکن وہ اس فاضل نوجوان شخصیت کے کسی ایک حرف کو بھی جھٹلانے کی جرأت نہ کرسکے، بالآخر انھیں آپ کی علمی حیثیت کا اعتراف کرنا ہی پڑا، اور آپ کی مدح ومنقبت بیان کرنے پر مجبور ہوگئے، چنانچہ ایسے چند شواہد ہم نے آپ کی فقاہت کے مضمون میں پیش کیے ہیں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ تحقیق کے میدان میں ایک عام محقق ایک یا دو فنون میں کامل ہوتا ہے اور بس، مگر بہت کم افراد ایسے ہوئے ہیں جنھیں جملہ فنون کی گہرائیوں تک پہنچنا نصیب ہوا ہو ایجاد فنون تو دور کی بات ہے۔

لیکن بفضلہ تعالیٰ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ امت محمدیہ علی صاحبہا اسلام کے وہ جید عالم اور پیشوا ہیں جنھیں نہ صرف جملہ دینی علوم وفنون سے کماحقہ آگاہی حاصل تھی بلکہ انھیں کئی ایک فنون کا موجد بھی تسلیم کیا گیا ہے اور آپ کی مجددیت میں کسی کو انکار کا چارا نہیں، چونکہ یہ ایک علاحدہ اور مستقل باب ہے اس لیے اس بارے میں کچھ لکھنا یہاں موقع ومحل کے خلاف ہوگا۔

یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی فن بغیر محنت ومشقت وریاضت کے حاصل نہیں ہوتا، البتہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو شکم مادر ہی میں علوم ظاہری و باطنی ودیعت

فرمادے تو یہ اس کی فیاضی ہے اور وہ اس پر قادر ہے لیکن ایسے حقائق شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتے ہیں، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اسی حقیقت کا مظہر ہیں اور وہ ایسے ہی برگزیدہ بندوں میں سے ہیں، چنانچہ ذیل کے واقعات سے ان کی عظمت و رفعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

آپ کی تعلیم کا آغاز:

بسم اللہ خوانی کی تقریب سعید کے موقع پر آپ کے استاذ محترم نے بسم اللہ شریف کے بعد الف، با، تا، ثا سے آپ کی تعلیم کا آغاز کیا، آپ استاذ محترم کے حکم کی تعمیل میں ہمہ تن مصروف رہنے لگے، لیکن جب ''لام الف'' پر پہنچے تو اپنے استاذ صاحب سے سوال کیا کہ لام بھی پڑھ چکا ہوں اور الف بھی اب یہ دونوں حروف دوبارہ کیوں؟ اس پر آپ کے دادا جان علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ استاذ کا کہا مانو، یہاں سوال کرنے کا کیا مطلب؟ لیکن دادا جان نے سوچا کہ ہونہار ہے اسے کچھ سمجھا دینا ہی مناسب ہے، آپ نے فرمایا بیٹا وجہ اس کی یہ ہے کہ پہلے جو الف تو نے پڑھا ہے وہ ہمزہ ہے اور یہ الف خالی ہے اور اس کے ساتھ جب تک دوسرا حرف نہ ملے اسے پڑھا نہیں جا سکتا، اعلیٰ حضرت نے جواباً عرض کیا پھر لام کی کیا تخصیص ہے، دوسرے حروف میں سے کئی ایک کو لگا دیا جاتا ہے، دادا جان نے جوش مسرت سے آپ کو گلے سے لگا لیا اور فرمایا۔

پیارے بیٹے وجہ یہ ہے کہ لام اور الف کو صورۃً اور معنیً ہر طرح آپس میں مناسبت ہے، صورۃً تو اس طرح کہ لکھنے میں دونوں کی صورت ایک جیسی ہے اور معنیً یوں کہ لام کا قلب الف ہے اور الف کا قلب لام ہے، یعنی لام الف کے قلب میں اور الف لام کے قلب میں ہے گویا یہ دونوں اس شعر کے مصداق ہیں۔[1]

---

[1] حیات اعلیٰ حضرت ج ۱ ص ۳۱۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

قارئین حضرات! غور فرمائیں کہ اعلیٰ حضرت تسمیہ خوانی ہی سے وہ اعتراضات پیش فرمارہے ہیں جو ہمارے منتہی طلبہ کو معقول کی بڑی بڑی کتابیں پڑھتے وقت بھی حاصل نہیں ہوتے اور سوالات بھی ایسے انوکھے جنھیں سن کر بڑے بڑے فلسفی انگشت بدنداں اور وحدت الوجود کی حقیقت کو سمجھنے والے وجد کناں نظر آئیں، اسے اعلیٰ حضرت کی ولایت سمجھئے یا مجددیت کی علامت؟ اسی وجہ سے آپ کی تعلیم پر خود اساتذہ دنگ تھے کہ ان کا یہ علم لدنی ہے یا ملکوتی، القا، چنانچہ اعلیٰ حضرت خود فرماتے ہیں کہ میرے استاذ جب مجھے سبق پڑھا دیا کرتے تھے تو میں ایک دو مرتبہ دیکھ کر کتاب بند کر دیتا جب وہ سبق سنتے تو حرف بہ حرف، لفظ بہ لفظ سنا دیتا، روزانہ یہی حالات دیکھ کر سخت متعجب ہوتے ایک دن مجھ سے فرمانے لگے (احمد رضا) میاں یہ بتاؤ، تم آدمی ہو یا فرشتہ؟ مجھے پڑھانے میں دیر لگتی ہے مگر یاد کرنے میں تمہیں دیر نہیں لگتی ہے۔[۱]

غور فرمایئے ہم اپنے تعلیمی ادوار یاد کرتے ہیں کہ جب تک ہم اپنے اسباق کو کئی مرتبہ نہ دہرائیں یاد نہیں رہتا، اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سنائیں تو کچھ بھول چوک ضرور ہو جاتی ہے، لیکن قدرت کی تربیت اور انسان کی اپنی محنت میں زمین و آسمان کے برابر فرق بتانا بھی سوءادب ہے اور پھر میرا شعور تو یہ کہتا ہے کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا جملہ علوم وفنون میں ماہر ہونا اگرچہ درس و تدریس کا محتاج نہیں تھا لیکن پھر بھی اس میں مطالعہ کو کچھ نہ کچھ دخل ضرور تھا، مگر حدیث دانی تو آپ کی فطرت تھی بلکہ یوں کہئے کہ فنون حدیث کو گھٹی میں پلائے گئے تھے اس لیے کہ آپ فقیہ اس وقت بنے جب آپ نے بریلی کے دارالافتاء میں بیٹھ کر پہلا فتویٰ

---

[۱] حیات اعلیٰ حضرت ج ا ص ۲۳۔

دیا اور مصنف اس وقت کہلائے جب آپ نے تصانیف کے انبار لگا دیئے، اپنی کتابوں کے حیرت انگیز تاریخی نام رکھے اور علمی و ادبی میدان میں بڑے بڑے ادبا، شعرا اور بھی سبقت لے گئے تو ارباب علم و دانش کو اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑا کہ آپ فی الواقع ایک صاحب طرف ادیب بھی اور قادرالکلام شاعر بھی، فن شعر میں آپ کا رنگ سخن اس وقت نکھرا جب کہ آپ نے سرور انبیا، خواجہ ہر دوسرا، تاجدار مدینہ، محبوب کبریا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب کے موتی بکھیرے، علم حدیث سے باخبر حضرات کو معلوم ہے کہ احادیث مقدسہ کو صرف از بر کرنے والے کو محدث کا نام دیا جاسکتا ہے بلکہ محدث کہلانے کا مستحق وہ ہے جسے کہ اسرار و رموز سے پوری پوری آگاہی حاصل ہو، عالم اسلام میں سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تمام ائمہ مجتہدین پر فوقیت کیوں حاصل ہے صرف اس لیے کہ آپ بہ نسبت دیگر ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے احادیث کے اسرار و رموز جاننے اور سمجھنے میں عدیم النظر تھے، یہی وجہ ہے کہ سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو کہنا پڑا کہ ''فقہ میں تمام فقہا امام ابوحنیفہ کے عیال ہیں''۔[1]

مجدد کی شناخت اور مجددین کی فہرست:

علمائے اسلام نے بیان فرمایا ہے کہ مجدد کے لیے ضروری ہے کہ ایک صدی کے آخر اور دوسری صدی کے اول میں اس کے علم و فضل کی شہرت رہی ہو، علما کے درمیان اس کے ''احیائے سنت'' ازالۂ بدعت اور دیگر دینی خدمات کا چرچا کیا جاتا ہو، لہٰذا جس عالم کو آخری صدی کا زمانہ نہ ملایا ملا لیکن وہ دینی خدمات انجام دینے میں مشہور نہ ہو تو وہ مجددین کی فہرست میں شمار نہ ہوگا، علمائے دین کی تصریح کے مطابق دین میں مجددین کی فہرست پیش کی جاتی ہے۔

---

[1] کذا فی کتب السوانح للامام الاعظم۔

پہلی صدی کے مجدد خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کی پیدائش ۹۰ھ میں اور وصال ۱۰۱ھ میں ہوا، اس اعتبار سے آپ کو دوسری صدی کا مجدد کہنا چاہئے لیکن تمام علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ پہلی صدی کے مجدد ہیں، دوسری صدی کے سیدنا امام شافعی وسیدنا امام حسن بن زیاد ہیں، تیسری صدی کے مجدد قاضی ابوالعباس بن شریح شافعی، امام ابوالحسن اشعری اور محمد بن جریر طبرانی ہیں، چوتھی صدی کے مجدد امام ابوبکر بن الابنانی وامام ابوحمد اسفرائنی ہیں، پانچویں صدی کے مجدد قاضی فخرالدین حنفی وامام محمد بن غزالی ہیں، چھٹی صدی کے مجدد امام فخر دین رازی ہیں، ساتویں صدی کے مجدد امام تقی الدین بن دقیق العید ہیں، آٹھویں صدی کے مجدد امام زین الدین عراقی، علامہ شمس الدین جزری اور علامہ سراج الدین بلقینی ہیں، نویں صدی کے مجدد امام جلال الدین سیوطی اور علامہ شمس الدین سخاوی ہیں، دسویں صدی کے مجدد امام شہاب الدین رملی اور ملاعلی قاری ہیں، گیارہویں صدی کے مجدد امام ربانی قطب المجد دین، غوث الکاملین، غیث العارفین سیدنا مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہ ہیں، حضرت شیخ محقق مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت علامہ میر عبدالواحد بلگرامی مصنف سبع سنابل شریف ہیں، بارہویں صدی کے مجدد شہنشاہ ہندوستان ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب بہادر عالمگیر بادشاہ غازی حضرت سید کلیم اللہ چشتی دہلوی، حضرت شیخ غلام نقش بند لکھنوی اور قاضی محبّ اللہ بہاری ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

بعض لوگوں نے اپنی خویش اعتقادی کے باعث شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کو بھی بارہویں صدی کا مجدد کہا ہے مگر تصریحات علمائے اسلام کے مطابق ان کا شمار مجددین میں نہیں ہے، کیونکہ شاہ صاحب موصوف کی پیدائش ۱۱۱۴ھ میں اور وفات ۱۱۷۶ھ میں ہوئی ہے تو صاحب علم وفضل ہونے کے باوجود

انھوں نے نہ تو کسی صدی کا آخر پایا اور نہ کسی صدی کا آغاز پایا۔

بعض وہابیوں نے سید احمد رائے بریلوی اور ان کے مرید مولوی اسماعیل دہلوی کو بھی مجدد قرار دیا ہے حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ان دونوں پر مرید نے اصلاح کے نام پر امت میں فتنہ وفساد کا بیج بویا اور مسلمانوں کے پرانے اسلامی عقائد بگاڑ کر ان کو وہابیت کی طرف موڑا ہے تو بھلا یہ دونوں مجدد کیسے ہوسکتے ہیں پھر ان باتوں سے قطع نظر کرتے ہوئے قابل غور امر یہ ہے کہ سید احمد رائے بریلوی کی پیدائش ۱۲۰۱ھ میں اور اسماعیل دہلوی کی پیدائش ۱۱۹۳ھ میں اور دونوں کی موت ۱۲۴۶ھ میں ہوئی ہے، جس سے ظاہر ہوا کہ سید احمد نے بارہویں صدی کا زمانہ ہی نہیں پایا اور مولوی اسماعیل نے پایا بھی تو اس طرح کہ وہ صرف سات برس کے بچے تھے، اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہابیوں کے بھی مستند مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی فرنگی محلی کا فیصلہ بھی سنا دیا جائے، جناب فاضل لکھنوی اپنے مجموعہ فتاویٰ عبدالحی جلد دوم صفحہ ۱۵۱ میں شیخ اسلام بدرالدین و امام جلال الدین سیوطی کی عبارات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ۔

ازیں عبارت واضح شد کہ سید احمد بریلوی کہ ولادت شاں در ۱۲۰۱ھ بود و مرید شاں مولوی اسماعیل دہلوی وغیرہ درمصادیق حدیث **ان اللّٰہ یبعث لھٰذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجددلھا دینھا** داخل نیستند (یعنی علمائے اسلام کی) ان عبارتوں سے صاف صاف واضح ہوگیا کہ سید احمد بریلوی جن کی پیدائش ۱۲۰۱ھ میں تھی اور ان کے مرید مولوی اسماعیل دہلوی وغیرہ حدیث شریف **اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ لِھٰذِہَ الاُمَّۃِ عَلیٰ رَأسِ کُلِّ مِأۃٍ مَنۡ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیۡنَھَا** کے مصداق میں داخل نہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات مجدد نہیں ہے، تیرہویں صدی کے مجدد شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے فرزند دلبند حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی متولد ۱۱۵۹ھ ومتوفی ۱۲۳۹ھ ہیں، آپ

بارہویں صدی کے آخر میں علم وفضل، زہد وتقویٰ میں مشہور، دیار واطراف تھے اور تیرہویں صدی کے آغاز میں آپ کے فضل وکمال کا طوطی پورے ہندوستان میں بولتا تھا، آپ کی ساری عمر دینی خدمت درس و تدریس افتاء وتصنیف میں گذری، سنت کی حمایت اور بدمذہبوں کا رد آپ کا خصوصی کارنامہ ہے، آپ کے اندر احقاق حق وابطال باطل کا جذبہ کوٹ کوٹ کو بھرا تھا، جس کا زندہ ثبوت آپ کی ضخیم کتاب تحفۂ عشریہ ہے، اس جلیل القدر عظیم الشان کتاب میں آپ نے دلائل کے ہتھوڑوں اور براہین کی شمشیروں سے رافضی مذہب کی کھال ادھیڑ کر اس کی ہڈیوں کا سرمہ اور گوشت کا قیمہ بنادیا۔

فالحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین و آلہٖ الطبین و صحبه الطاهرین.

چودہویں صدی کا جلیل القدر مجدد:

علمائے اسلام کے بیان کے فرمودہ اصول کے مطابق اگر اہل حق موجودہ صدی کی فضائے اسلام پر نگاہ ڈالیں تو انھیں مجددیت کا ایک درخشاں آفتاب اپنی نورانی شعاعوں سے بدعت وردت کی تاریک دبیز تہوں کو چیرتا ہوا نظر آئے گا، جس کی بے مثل تابانی سے ایک عالم چمک دمک رہا ہے اور وہ فخر روزگار مجدد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الحاج حافظ قاری شاہ محمد احمد رضا بریلوی سنی حنفی قادری برکاتی ہیں، اس لیے کہ آپ کی ولادت ۱۰؍شوال ۱۲۷۲ھ میں اور آپ کا وصال ۲۵؍صفرالمظفر ۱۳۴۰ھ میں ہوا آپ نے تیرہویں صدی کا ۲۸؍سال دومہینہ بیس دن پایا، جس میں آپ کے علوم وفنون، درس وتدریس، تالیف وتصنیف، وعظ و تقریر کا شہرہ ہندوستان سے عرب شریف تک پہنچا اور چودہویں صدی کا انتالیس سال ایک مہینہ ۲۵؍دن پایا، جس میں حمایت دین، نکایت مفسدین، احقاق حق و

ازہاق باطل اعانت سنت و امانت بدعت کے فرائض منصبی کو کچھ ایسی خوبی اور کمال کے ساتھ آپ نے انجام دیا جو آپ کے عظیم المرتبت مجدد ہونے پر شاہد عدل ہے، آپ تیرہ سال دس مہینہ کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے اور اسی دن سے فتویٰ دینا شروع کردیا اور یہ سلسلہ عمر شریف کے آخری حصہ تک جاری رہا، افسوس کہ آپ کے بہت سے فتویٰ کی نقل نہ لی جاسکی مگر پھر بھی جو نقل ہوسکے وہ بڑی تقطیع ۲۰×۲۶ پر بارہ جلدوں میں تقریباً گیارہ ہزار صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، اس مجموعہ کا نام ''فتاویٰ رضویہ'' اس میں آپ نے احکام شرعیہ ومسائل دینیہ کی تفصیل وتوضیح ایسی تحقیق کے ساتھ کی ہے جو اس کے غیر میں نہ ملے گی، فقہی مسائل کے لیے دلائل و براہین کے انبار لگادیئے ہیں، فقہ وکلام کے وہ معرکتہ الآراء مسائل جو اپنی پیچیدگی کے باعث برسوں سے اکابر علما کے درمیان الجھے ہوئے رہ گئے تھے، ان کا فیصلہ کیا ہے، آپ کی تصنیفات کا شمار بروایت حضرت شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت رضا خاں لکھنوی ثم پیلی بھیتی علیہ الرحمہ ایک ہزار سے زیادہ ہے، ائمہ متاخرین میں امام جلال الدین سیوطی مجدد قرن عاشر علیہ الرحمہ کے بعد کسی سے متعلق نہیں سنا گیا کہ وہ کثرت تصنیفات میں اعلیٰ حضرت کا مقابل ہے جس وقت آپ کے درس وتدریس کا غلغلہ بلند ہوا تو سہارنپور اور دیوبند کے مدرسوں کے بھی چند طلبہ حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، درس گاہ رضویہ کے طلبہ انھیں دیکھ کر سخت تعجب میں ہوگئے کیونکہ اعلیٰ حضرت اگر چہ یہ علم وفن کے آفتاب فضل وکمال کے ماہتاب تھے، لیکن وہابی علما سے تو یہ امید ہی نہیں کہ وہ اعلیٰ حضرت جیسے وہابیت کا پراخچہ اڑانے والے کی علمی خوبیوں کا سیدھے الفاظ میں اسی طرح اعتراف کرتے ہوں، کہ ان کے طلبہ کو آپ سے علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ درس گاہ رضویہ کے طلبہ نے اپنی حیرت کا اظہار کرتے آنے والے طالب علموں سے دریافت کیا کہ آپ

حضرات دیوبند اور سہارنپور چھوڑ کر بریلی کیسے آ گئے، انھوں نے کہا کہ یہ تو صحیح ہے کہ مدارس دیوبند وغیرہ میں اعلیٰ حضرت کی مدح وثنا نہیں ہوتی لیکن جب کبھی وہابی علما کے درمیان اعلیٰ حضرت کا تذکرہ چل پڑتا ہے تو ان کی گفتگو کا حرف آخر یہی ہوتا ہے کہ کچھ بھی ہو مولانا احمد رضا قلم کے بادشاہ ہیں، جس مسئلہ پر قلم اٹھا دیا پھر نہ تو موافق کو ضرورت افزائش رہتی ہے اور نہ مخالف کو دم زدن کی گنجائش ہوتی ہے، جس اعلیٰ حضرت کا یہی وصف ہے کہ جو لوگوں کو دیوبند وسہارنپور سے کھینچ کر بریلی لایا۔[1]

امام احمد رضا اور احترام سادات:

محبوب کائنات رحمۃ للعالمین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ ہر اس شخصیت سے محبت کی جائے جن سے محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت فرمائی ہو، اہل بیت اطہار اور سادات کرام کی عزت وتعظیم کرنا بھی محبت رسول کی علامت ہے کیونکہ انھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ایک خاص نسبت واضافت حاصل ہے، آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کی وجہ سے سادات کرام تعظیم وتوقیر کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔[2]

ہر دور میں اہل محبت نے سادات کرام سے اپنی محبت وعقیدت کا ثبوت دیا ہے، بے شک تمام عشاق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سادات کرام سے محبت والفت بے مثال اور قابل صد ستائش ہے، لیکن ان میں امام اہل محبت ومحبّ سادات امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی سادات کرام سے محبت وعقیدت ضرب المثل بن چکی ہے، آپ سے

---

[1] ماخوذ از مقالہ علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ پاسبان اپریل ۱۹۶۲ء ص ۲۲ نیز اسی طرح سوانح اعلیٰ حضرت ۱۴ میں بھی ہے۔ [2] حدائق بخشش حصہ دوم صفحہ ۱۶۰۔

اختلاف کرنے والوں کو بھی اعتراف ہے کہ حقیقی معنی میں آپ شیفتۂ رسول تھے[۱]

جیسا کہ بانی جامع اشرف شیخ اعظم حضرت علامہ مفتی الشاہ سید محمد اظہار اشرف سجادہ نشین خانقاہ اشرفیہ حسنیہ سرکارکلاں فرماتے ہیں۔

امام احمد رضا یہی نہیں کہ اپنے عہد کے علوم وفنون کے کوہ ہمالیہ تھے، بلکہ عشق ومحبت کا بحر ناپیدا کنارے بھی تھے جنھیں اپنے محبوب کی ذات تو ذات اس کے آثار ومنسوبات سے بھی والہانہ وارفتگی تھی۔[۲]

خلیفہ اعلیٰ حضرت ملک العلما حضرت علامہ ظفرالدین بہاری فرماتے ہیں:

علمائے کرام نے اپنی مستند تصانیف میں تحریر فرمایا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تعظیم سے ہے کہ وہ چیز جس کو حضور اقدس سے نسبت واضافت ہے، اس کی تعظیم وتوقیر کرنی چاہئے اور ان میں سادات کرام جزء رسول ہونے کی وجہ سے نسبت سے زیادہ مستحق وتوقیر وتعظیم ہیں، اور اس پر پورا عمل کرنے والا میں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کو پایا۔

اس لیے کہ کسی سید صاحب کو وہ اس کی ذات حقیقت ولیاقت سے نہیں دیکھتے بلکہ اس حیثیت سے ملاحظہ فرماتے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جزء ہیں، پھر اس اعتقاد ونظریہ کے بعد جو کچھ ان کی تعظیم وتوقیر کی جائے سب درست و بجا ہے، اعلیٰ حضرت اپنے قصیدۂ نور میں عرض کرتے ہیں۔

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

پیش نظر تھا کہ میں محبّ سادات امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی سادات کرام سے عقیدت ومحبت کی چند جھلکیاں قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں۔

---

[۱] برکات آل رسول۔ [۲] (۲۱) ماہ نامہ حجاز جدید دہلی مفتی اعظم نمبر شمارہ ستمبر اکتوبر ۱۹۹۰ء ص ۵۸۔

احترام سادات کی سلسلے میں اعلیٰ حضرت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے فتاوی رضویہ میں اکثر جگہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو نقل فرما کر امت مسلمہ کو یہ درس دیا ہے کہ۔

اے سنی مسلمانو!	سادات کا حق پہنچانو۔
اے سنی مسلمانو!	سادات کرام کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔
اے سنی مسلمانو!	نسب سادات کو پہچانو۔
اے سنی مسلمانو!	سادات کی توہین وتذلیل سے بچو۔
اے سنی مسلمانو!	جان لو کہ سادات کرام امت کے لیے امان ہیں۔
اے سنی مسلمانو!	سادات کی اصلاح کا طریقہ سیکھو۔
اے سنی مسلمانو!	فضیلت سادات کو جانو۔
اے سنی مسلمانو!	احترام سادات بجالاؤ

امام احمد رضا اور حقوق سادات:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فتاویٰ رضویہ میں ابوالشیخ ابن حبان وبیہقی شریف کے حوالے سے حدیث مبارکہ نقل فرماتے ہیں.....امیر المومنین حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من لم یعرف حق عترتی والانصار والعرب فھو لاحدی ثلث اما منافق واما مزینة واما لغیر طھور

یعنی جو شخص میری اولاد وانصار اور عرب کا حق نہ پہچانے وہ تین باتوں میں سے ایک خالی نہیں یا تو منافق ہے یا زانی کا بیٹا یا حیضی بچہ۔[1]

---

[1] فتاویٰ رضویہ جلد ۴ ص ۱۲۳ کنز العمال جلد ۱۳ ص ۸۹۔

یہ حدیث اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ رضویہ جلد ۹ ص۲۲ پر بھی تحریر فرمائی ہے۔[۱]

امام احمد رضا اور نسب سادات:

رسالہ ''ارأۃ الادب لفاضل النسب'' میں ایک استفتا کے جواب میں نسب سادات کی عظمت و رفعت کے تعلق سے امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ نے سیر حاصل بحث کی ہے، جس کے صرف چند اقتباسات آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

فرماتے ہیں کہ بروز قیامت میں سب سے پہلے اہل بیت کی شفاعت فرماؤں گا، پھر درجہ بدرجہ جو زیادہ نزدیک ہیں، قریش تک پھر انصار پھر وہ اہل یمن جو کہ مجھ پر ایمان لائے اور میری پیروی کی، پھر باقی عرب پھر اہل عجم اور میں جس کی شفاعت کے لیے کروں گا وہ افضل ہے۔[۲]

تنبیہِ اعلیٰ حضرت: سادات کی توہین و تذلیل سے بچو!:

۱۳۳۴ھ میں سید برکت علی بریلوی لکھنوی امین آباد نے سوال کیا کہ کسی سید کو صحیح النسب سید نہ کہنا بلکہ اس کو ناجائز پیشہ وروں (مراثی وغیرہ) سے مثال دینا کیسا ہے؟ اور اس مثال دینے والے کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور سید کی بے توقیری کرنے والا گمراہ بد مذہب ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں محبّ سادات امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں۔

''سنی سید کی بے توقیری سخت حرام ہے، صحیح حدیث میں ہے چھ شخص ہیں جن پر میں نے لعنت کی، اللہ ان پر لعنت کرے اور ہر نبی کی دعا قبول ہے از اں جملہ ایک وہ جو کتاب اللہ میں اپنی طرف سے کچھ بڑھائے اور وہ جو خیر و شر سب

---

[۱] امام احمد رضا اور علم حدیث جلد ۳ ص ۲۲۶ فتاویٰ رضویہ جلد ۹ ص ۴۳۱، نیز اسی طرح امام احمد رضا اور احترام سادات ۱۰۶ میں ہے۔ [۲] ارأۃ الادب لفاضل النسب ص ۲۷۔

کچھ اللہ کی تقدیر سے ہونے کا انکار کرے اور جو میری اولاد سے اس چیز کو حلال رکھے جو اللہ نے حرام کیا اور ایک حدیث میں کہ ارشاد فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جو میری اولاد کا حق نہ پہچانے وہ تین باتوں میں ایک سے خالی نہیں، یا تو منافق ہے یا زانی کا بیٹا یا حیضی بچہ، جو کسی عالم کو مولویا یا سید کو میروا اس کی تحقیر کے لیے کہے وہ کفر ہے اور اس میں شک نہیں جو سید کی تحقیر بوجہ سیادت کرے وہ مطلقاً کافر ہے، اس کے پیچھے نماز محض باطل ہے ورنہ مکروہ اور جو سید مشہور ہے اگر چہ واقفیت نہ معلوم ہے اسے بلا دلیل شرعی کہہ دینا کہ یہ صحیح النسب نہیں اگر شرائط قذف کا جامع ہے تو صاف کبیرہ ہے اور ایسا کہنے والا اسی (۸۰) کوڑوں کا سزاوار اور اس کے بعد اس کی گواہی ہمیشہ کو مردود اور اگر شرط قذف نہ ہو کم از کم بلا وجہ شرعی ایذائے مسلم ہے اور بلا وجہ شرعی ایذائے مسلم حرام قطعی، رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، جس نے بلا وجہ شرعی سنی مسلمان کو ایذا دی، اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ عزوجل کو ایذا دی، والعیاذ باللّٰہ تعالیٰ و آلہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) ۱۳۳۶ھ میں اسی قسم کا استفتا آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا کہ جو لوگ سیدوں کو کلمات بے ادبانہ کہا کرتے ہیں اور ان کے مراتب کا خیال نہیں کرتے بلکہ کلمہ تحقیر آمیز کہہ بیٹھے ہیں، ان کے لیے کیا حکم ہے؟۔

(۲) حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دربارۂ محبت و اطاعت آل کے لیے کچھ ارشاد فرمایا ہے یا نہیں؟۔

(۳) اور جو لوگ سیدوں سے محبت رکھتے ہیں ان کے لیے یوم محشر میں آسانی ہوگی یا نہیں؟۔

(۴) ایک جلسہ میں دو مولوی صاحبان تشریف رکھتے ہیں ایک ان میں سے سید ہیں تو مسلمان کسے صدر بنائیں۔

(۱)جواب میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''سادات کرام کی تعظیم فرض ہے اوران کی توہین حرام، بلکہ علمائے کرام نے ارشاد فرمایا جوکسی عالم کومولویا یا کسی سید کومیروا بروجہ تحقیر کہے کافر ہے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو میری اولاد اور انصار اور عرب کا حق نہ پہچانے وہ تین علتوں سے خالی نہیں یا تو منافق ہے یا زانی کا بیٹا ہے یا حیضی بچہ، بلکہ علما وانصار وعرب سےتو وہ مراد ہیں جوگمراہ بد دین نہ ہواور سادات کرام کی تعظیم میں جب تک ان کی بدمذہبی حد کفر کو نہ پہنچے کہ اس کے بعد وہ سید ہی نہیں سب منقطع ہے، نیچری، قادیانی، وہابی، غیرمقلد، دیوبندی اگر چہ سید مشہور ہوں نہ سید ہیں نہ ان کی تعظیم حلال بلکہ توہین وتکفیر فرض۔

(۲)محبت آل اطہار کے بارے میں متواتر حدیثیں بلکہ قرآن عظیم کی آیت کریمہ ہے۔

''قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودت فی القربی'' ان کی محبت بحمداللہ تعالیٰ مسلمان کا دین ہے اور اس سے محروم ناصبی خارجی جہنمی ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ مگر محبت صادقہ نے روافض کی سی محبت کا ذمہ جنھیں ائمہ اطہار فرمایا کرتے تھے، خدا کی قسم تمہاری محبت ہم پر عار ہوگی، اطاعت عامہ اللہ ورسول کی پھر علمائے دین کی ہے، اصل اطاعت اللہ و رسول کی ہے، علمائے دین ان کے احکام سے آگاہ پھر اگر عالم سید بھی ہےتو نور علیٰ نور امور مباحثہ میں جہاں تک نہ شرعی حرج ہونہ کوئی ضرر، سید غیر عالم کے بھی احکام کی اطاعت کرے کہ اس میں اس کی خوشنودی ہےاور سادات کرام کی خوشی میں کہ حدشرع کے اندر ہو، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا ہےاور حضور کی رضا اللہ عزوجل کی رضا ہے۔

(۳) ہاں سچے محبان اہل بیت کرام کے لیے روز قیامت نعمتیں، برکتیں،

---

[۱] فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ نصف آخر ص ۱۳۱، نیز اسی طرح امام احمد رضا اور احترام سادات ۱۱۳۔

راحتیں ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اہل بیت کی محبت لازم پکڑو کہ جو اللہ سے ہماری دوستی کے ساتھ ملے گا وہ ہماری شفاعت سے جنت میں جائے گا، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ کسی کو اس کا عمل نفع نہ دے گا جب تک کہ ہمارا حق نہ پہچانے۔

(۴) اگر دونوں عالم دین سنی صحیح العقیدہ اور جس کام کے لیے صدارت مطلوب ہے اس کے اہل ہوں تو سید کو ترجیح ہے ورنہ ان میں جو عالم یا علم میں زائد یا سنی ہو اور دونوں علم میں مساوی ہوں تو جو اس کام کا زیادہ اہل ہو۔[۱]

سید سے جب تک کفر صادر نہ ہو اس کی تعظیم واجب ہے:

۱۳۳۶ھ میں ہی ضلع سیتاپور سے الیاس حسین نے پوچھا کہ ایک شخص سید ہے لیکن اس کے اعمال واخلاق خراب ہیں اور باعث ننگ و عار ہیں تو اس سید سے اس کے اعمال کی وجہ سے تنفر رکھنا اور نسبی حیثیت سے اس کی تکریم کرنا جائز ہے کہ نہیں، اس سید کے مقابل کوئی غیر مسلسل شیخ مغل پٹھان وغیرہ وغیرہ کا، آدمی نیک اعمال ہو تو اس کو اس سید پر بحثیت اعمال کے ترجیح ہوسکتی ہے کہ نہیں شرع شریف میں ایسی حالت میں اعمال کو ترجیح ہوسکتی ہے کہ نہیں؟ اس کے جواب میں محبّ سادات امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

''سید سنی المذہب کی تعظیم لازم ہے اگر چہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں، ان اعمال کے سبب اس سے تنفر نہ کیا جائے نفس اعمال سے تنفر ہو بلکہ اس کے مذہب میں بھی قلیل فرق ہو کہ حد کفر تک نہ پہنچے جیسے تفضیل تو اس حالت میں بھی اس کی تعظیم سیادت نہ جائے گی ہاں اگر اس کی بد مذہبی حد کفر تک پہنچے جیسے رافضی وہابی قادیانی نیچری وغیرہم تو اب اس کی تعظیم حرام ہے نہ جو وجہ تعظیم تھی یعنی سیادت

---

[۱] ملخصاً۔فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ نصف آخر ص ۱۶۶، ۱۶۷، مطبوعہ کراچی۔

وہی نہ رہی، شریعت نے تقویٰ کو فضیلت دی ہے مگر یہ فضل ذاتی ہے فضل نسب منتہائے نسب کی افضلیت پر ہے، سادات کرام کی انتہا نسب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے اس افضل انتساب کی تعظیم پر متقی پر فرض ہے کہ وہ اس کی تعظیم نہیں، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔[1]

شیخ اعظم جانشین مخدوم سمنان حضرت علامہ سید شاہ محمد اظہار اشرف اشرفی جیلانی سجادہ نشین خانقاہ اشرفیہ حسنیہ سرکارکلاں کچھوچھہ شریف فرماتے ہیں۔

کس قدر عشق برس رہا ہے اس جواب سے فقہی کتابیں اس جواب سے خالی ہیں اس لیے میں اس کو الہامی جواب سمجھتا ہوں۔[2]

امام احمد رضا اور سائنسی علوم:

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی (متوفی ۱۹۲۱ء) نے اپنی تبحر علمی، وسعت علوم اور قوت استدلال سے مختلف علوم وفنون میں کثرت تصانیف سے آئندہ نسلوں پر جو احسان عظیم فرمایا، اس کی نظیر ہمیں کئی صدیوں میں نہیں ملتی، وہ ہر فن کے مسلم الثبوت امام ہیں۔

چاہے فقہی مسائل ہوں یا دینی علوم، فکری ابحاث ہوں یا نظری دلائل، ہر ایک چیز میں یکتائے روزگار، علوم ریاضیہ میں انہیں کمال، سائنسی علوم میں انھیں عبور، غرض کہ پچاس سے زائد علوم وفنون انھوں نے اپنی یادگار میں چھوڑیں۔

حضرت محدث بریلوی نے سائنس کی قدآور شخصیتوں کوپرنیکس (Copernicus) جو ہانز کیپلر (Johannes Kepler) البرٹ آئن سٹائن (Albert einstein) آئزنیوٹن (Asaanewton) کا تعاقب

---

[1] فتاویٰ رضویہ جلد ۱۰ نصف آخر ص ۲۳،۱۷۴،۱۷، وامام احمد رضا اور احترام سادات ص ۱۱۶۔

[2] (ماہ نامہ حجاز جدید دہلی مفتی اعظم نمبر ص ۶۰)

کرتے ہوئے ان کے بعض غلط نظریات کا انھیں کے اصولوں کی روشنی میں رد فرمایا، ۱۹۱۹ء میں امریکی ہیئات داں پروفیسر البرٹ ایف یورپٹا کی پیش گوئی کی دھجیاں اڑائیں، ۱۹۱۳ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر ماہر ریاضیات پروفیسر سر ضیاء الدین کے لاینحل سوالوں کو حل فرمایا، جس کے اعتراف میں انھیں یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ یہ ستی نوبل انعام (Nobel Prize) کی مستحق ہے، سائنسی علوم میں حضرت محدث بریلوی کی مہارت دیکھ کر اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل ماہر ریاض داں پروفیسر مولانا حاکم علی، حضرت محدث بریلوی کی طرف متوجہ ہوئے اور اتنے متاثر ہوئے کہ محدث بریلوی کو چودہویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا۔

ماہر رضویات پروفیسر محمد مسعود احمد علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں ''وہ (پروفیسر حاکم علی) احمد رضا کے یہاں لاہور سے بریلی آتے جاتے تھے اور ان سے علمی استفادہ کرتے، ہاں سائنسی تجربے کرتے۔(۱)

حضرت محدث بریلوی قدس سرہ سائنس کو قرآن کی روشنی میں پرکھنے کے قائل تھے، ان کے نزدیک قرآن کتاب ہدایت بھی ہے اور حکمت بھی، جس دور میں مرغوب و مغلوب عقلیں قرآن کی تاویلیں کر کے سائنس کو سچا ثابت کر رہی تھیں اور قرآن کو سائنس کی روشنی میں دیکھ رہی تھی اس دور میں صرف حضرت محدث بریلوی نے یہ نعرہ لگایا کہ قرآن کی روشنی میں سائنس کو پرکھو، یہ بات جذباتی نہیں عقلی ہے، قرآنی نظریات قطعی ہیں، ارتقا پذیر نہیں سائنس کے نظریات ظنی اور ارتقا پذیر ہیں، آج جو ثابت کیا جاتا ہے کل اس کو سائنس داں خود باطل قرار دے دیتے ہیں، جو شئی ظنی ہو اس کو یقینی نہیں کہہ سکتے، حضرت امام احمد رضا بریلوی کا کہنا تھا کہ ظنی افکار کو قطعی افکاری کی روشنی میں پرکھو اور جانچو، جس طرف آپ نے توجہ دلائی وہ خود سائنس دانوں کے لیے مفید تھی۔(۲)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی بعض تصانیف کے مطالعہ سے کم علم احقر کو جن سائنسی علوم کا پتہ چلتا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

علم طبعیات (Physics) علم ہیت (Astronomy) علم طب (Medical Science) علم الجنین (Embryology) علم آثار قدیمہ (Archaeology) تاریخ (Histiogrophy) علم نجوم (Astrology) علم تشریح الاعضاء (Anatomy) علم کیمیا(Chemstry) علم ریاضی (Mathemetics) علم حیوانات(Zoology) علم الاحجار(Geology) معاشیات(Econonics) سیاسیات (Politicalscience) عمرانیات (Sociology) وغیرہ۔

علم ہیت(Astronomy):

یہ وہ علم ہے جس میں اجرام فلکی، زمین کی گردش اور کشش وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔

حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ہیت میں سترہویں صدی کے وسط میں سائنس داں آئزک لیوٹن اور بیسویں صدی کے مشہور یہودی النسل سائنس داں البرٹ آئن سٹائن اور مشہور امریکی ہیت داں البرٹ الف یورٹا کے نظریات کا تعاقب کیا اور اپنی فاضلانہ تحقیقات دنیا کے سامنے پیش کی اور بینام سامعین مبینِ بہر دور شمسی وسکون زمین ۱۳۳۸ھ فوز مبین در دو حرکت زمین نزول آیات فرقان سکون زمین و آسمان ۱۳۳۹ھ اور الکلمۃ الملہمہ فی الحکمۃ المحکمۃ لوہا الفلسفۃ المشئمہ ۱۳۳۸ھ وغیرہ سرمایہ چھوڑا۔

مذکورہ کتابوں کا بنظر عمیق مطالعہ کیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نے اس فن میں برسہا تحقیق کی ہو فوز مبین کے حوالے

سے چند مثالیں قارئین کی نذر ہیں۔

میوٹن کا ایک خاص نظریہ ''کشش ثقل'' (Gravition) ہے، اس نے نظریہ کی تائید میں جو دلیل پیش کی ہے وہ اس کی زندگی کا نجی واقعہ ہے، جس کے پیش آنے کے بعد اس نے یہ نظریہ اخذ کیا، سنیئے امام بریلوی قدس کی زبانی۔

''ہر جسم میں دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے کی ایک قوت طبعی ہے جسے باذبا یا جاذبیت کہتے ہیں اس کا پتہ نیوٹن کو ۱۶۶۵ء میں اس وقت چلا جب وہ وبا سے بھاگ کر کسی گاؤں گیا، باغ میں تھا کہ درخت سے سیب ٹوٹا، اسے دیکھ کر سلسلہ خیالات چھوٹا، جس سے قواعد کشش کا بھبوکا پھوٹا۔(۳)

مذکورہ مشاہداتی واقعہ کی روشنی میں نیوٹن نے ایک نظریہ قائم کیا کہ ہر جسم کے اندر کھینچنے کی طاقت ہے، ہر جسم اپنی طاقت کے مطابق دوسرے جسم کو کھینچ رہا ہے مثلاً زمین، چاند اور سورج، فضا، بسیط میں پھیلے ہوئے ہیں، لاتعداد سیارے و ستارے جسم ہونے کی حیثیت سے ایک دوسرے کو کھینچ رہے ہیں۔

اسی کھینچا تانی نے ذہن دیا کہ آسمانی سیارے ستارے زمین سے ہزارہا گنا زیادہ طاقت رکھتے ہیں، خاص طور سے سورج جو اپنی بھرپور توانائی کے ساتھ زمین کھینچ رہا ہے، نتیجے میں زمین کی گردش کررہا ہے۔

اس کے جواب میں حضرت امام بریلوی نے ایک کتاب بنام ''فوز مبین دررد حرکت زمین'' تحریر فرمائی، اور نیوٹن کے نظریات کی زبردست تردید کی، خود حضرت امام بریلوی قدس سرہ کتاب کے تعلق سے رقم طراز ہیں۔

''یہ رسالہ مسمیٰ بنام تاریخی ''فوز مبین در ردحرکت زمین ۱۳۳۸ھ ایک مقدمہ چار فصل اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، مقدمہ میں مقررات ہیاتِ جدیدہ کا بیان جن سے اس رسالہ میں کام لیا جائے گا، فصل اول میں نافریت پر بحث اور اس کے ابطال حرکت زمین پر بارہ دلیلیں، فصل دوم میں جاذبیت پر کلام اور اس سے

بطلان حرکت زمین پر بچاس دلیلیں، فصل سوم میں خود حرکت زمین کے بطلان پر اور تینتالیس دلیلیں، یہ بحمداللہ تعالیٰ بطلان حرکت زمین پر ایک سو پانچ دلیلیں ہوئیں جن میں پندرہ اگلی کتابوں کی ہیں جن کی ہم نے اصلاح وتصحیح کی اور پورے نوے دلائل نہایت روشن وکامل بفضلہٖ تعالیٰ خاصہائے ایجاد ہیں، فصل چہارم میں ان شبہات کا رد جو ہیئات جدیدہ اثبات حرکت زمین میں پیش کرتی ہے خاتمہ میں کتب الٰہیہ سے گردش آفتاب وسکون زمین کا ثبوت۔(۴)

فصل دوم کے حوالے سے جاذبیت زمین کی رد پر ایک دلیل ملاحظہ فرمائیں، ۳۸ویں دلیل دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، مقناطیس (Maagnet) کا ذرا سا ٹکڑا یا کہربا (Electricty) کا چھوٹا دانا لو اور ایک لوہے کا چھوٹا سا ٹکڑا لے کر زمین پر رکھ دو پھر مقناطیس یا کہربا کے دانے کو اس کے اوپر کرو، دیکھو مقناطیس کا ٹکڑا لوہے کے ٹکڑے کو کھینچ لیتا ہے، اگر زمین کے اندر جذب کی قوت (Power of all raction) ہوتی تو زمین خود کھینچے دیتی ہے اور مقناطیس کی سمت جانے نہ دیتی اور ایسا نہیں ہے تو پتہ چلا کہ زمین کے اندر قوت جذب نہیں ہے۔(۵)

تفریح طبع کی خاطر جاذبیت زمین کے تعلق سے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی نوعمری کا ایک واقعہ ملاحظہ کریں۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ایک طبیب کے یہاں تشریف لے گئے، ان کے استاذ ایک نواب صاحب جو علم عربی بھی رکھتے تھے اور علوم جدیدہ کے گرویدہ بھی تھے) کو مسئلہ جاذبیت سمجھا رہے تھے کہ ہر چیز دوسرے کو جذب کرتی ہے، اثقال کہ زمین پر گرتے ہیں نہ اپنے میل طبعی بلکہ کشش زمین سے۔

اعلیٰ حضرت: بھاری چیز اوپر سے دیر میں آنا چاہئے اور ہلکی جلد کہ آسان کھینچے گی حالاں کہ امر بالعکس ہے۔

نواب صاحب: جنسیت موجب قوت جذب ہے، ثقیل میں اجزائے ارضیہ زائد ہیں، لہٰذا زمین اسے زیادہ قوت سے کھینچتی ہے۔

اعلیٰ حضرت: جب ہر شئی جاذب ہے اور اپنی جنس کو نہایت قوت سے کھینچتی ہے تو جمعہ وعیدین میں امام ایک ہوتا ہے اور مقتدی ہزاروں، چاہئے کہ مقتدی امام کو کھینچ لیں۔

نواب صاحب: اس میں روح مانع اثر جذب ہے۔

اعلیٰ حضرت: ایک جنازہ پر دس ہزار نمازی ہوتے ہیں اور اس میں روح نہیں کہ نہ کھینچنے دے تو لازم ہے کہ مردہ اڑ کر نمازیوں سے لپٹ جائے۔

نواب صاحب: خاموش رہے۔(۶)

۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء میں امریکی ہیات داں پروفیسر البرٹ ایف پورٹا نے نیوٹن کے نظریۂ کشش ثقل کے تحت مما لک متحدہ امریکہ کی تباہی اور دنیا کے دیگر علاقوں میں زلزلوں اور طوفانوں کی پیش گوئی کی تو حضرت محدث بریلوی نے اس کا تعاقب کیا اور اپنے فاضلانہ تحقیق سے اسے اس کی پیش گوئی کو باطل قرار دیا، اصل واقعہ یوں ہے۔

''۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو عطارد، مریخ، زہرہ، مشتری، زحل، نیپچوں، یہ چھ سیارے جن کی طاقت سب سے زائد ہے، قرآن میں ہوں گے، آفتاب کے ایک طرف ۲۶ر درجے کے رنگ فاصلہ میں جمع ہوکر اسے بقوت کھینچیں گے اور وہ ان کے ٹھیک مقابلہ میں ہوگا اور مقابلہ میں آتا جائے گا، اور ایک بڑا کوکب یورینس سیاروں کا ایسا اجتماع تاریخ ہئیات میں کبھی نہ جانا گیا، یورینس اور ان چھ مقناطیس لہر آفتاب میں بڑے بھالے کی طرح سوراخ کرے گی، ان چھ بڑے سیاروں کو اجتماع سے چوبیس صدیوں سے نہ دیکھا گیا تھا، مما لک متحدہ کو دسمبر میں بڑے خوفناک طوفان آپ سے صاف کردیا جائے گا، یہ داغ شمس ۱۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو ظاہر

ہوگا، جو بغیر آلات کے آنکھ سے دیکھا جائے گا، یہ داغ شمس کُرۂ ہوا میں تزلزل ڈالے گا، طوفان، بجلیاں، سخت مینہ اور بڑے زلزلے ہوں گے، زمین ہفتوں میں اعتدال پر آئے گی۔(۷)

حضرت محدث بریلوی نے البرٹ ایف پورٹا کی اس دیش گوئی کے رد میں ایک رسالہ بنام ''معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین'' تحریر فرمائی اور ۱۷ دلیلوں سے اس کی پیش گوئی کو باطل ٹھہراتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

یہ سب اوہام باطلہ و ہوسات عاطلہ ہیں، ملسمانوں کو ان کی طرف اصلاً التفات جائز نہیں۔(۸)

تفصیل کے لیے رسالہ معین مبین کا مطالعہ کریں۔

علم طب (Medicalscience):

امام احمد رضا محدث بریلوی وہ بالغ نظر مفتی ہیں جو احکام شرعیہ معلوم کرنے کے لیے تمام امکانی ماخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں، ایک ماہر طبیب جو فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرتا ہے تو بیش بہا طبی معلومات دیکھ کر اسے حیرت ہوئی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتا ہے کہ وہ کسی مفتی کی تصنیف پڑھ رہا ہے یا ماہر طبیب کی، چنانچہ حکیم محمد سعید دہلوی لکھتے ہیں۔

''فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لیے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لیے کس علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہئے، اس لیے ان کے فتاویٰ میں سے علوم کے نکات ملتے ہیں مگر طب اور اس کے دیگر شعبے مثلاً کیمیا (Chemistry) اور علم الاحجار (Geology) کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس کے حوالے ان کے یہاں ملتے ہیں،

اس سے ان کی وقت نظر اور طبی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی نہیں بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں، ان کے تحقیق اسلوب و معیار سے دین وطب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہوجاتی ہے۔(۹)

امام احمد رضا قدس سرہ کی طبی بصیرت کا اندازہ ہم درج ذیل عبارت سے لگا سکتے ہیں، دوا کے لیے کسی مرکب میں افیون (Opium) بھنگ (Hemp) چرس کے استعمال کے تعلق سے تحریر فرماتے ہیں۔

اگر دوا کے لیے کسی مرکب میں افیون یا بھنگ یا چرس کا اتنا جز ڈالا جائے جس کا عقل پر اصلاً اثر نہ ہوتو حرج نہیں، بلکہ افیون میں اس سے بچنا چاہئے کہ اس خبیث کا اثر ہے کہ معدے میں سوراخ کر دیتی ہے جو افیون کے سوا کسی بلا سے نہیں بھرتے تو خواہی نہ خواہی بڑھانی پڑتی ہے۔(۱۰)

علم الجنین (Embryology):

کے تعلق سے ایک استفتا کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں ”ایسی صورت میسر نہیں کہ جنین (Embryo) دیر میں بحال فی ظلمات ثلاث تین اندھیریوں میں ہے اور بذریعہ آلہ مشہور ہوجائے، اس کا جسم بالتفصیل آنکھ سے نظر آئے کہ بعد علوق فم رحم سخت منضم ہوجاتا ہے، جس میں میل سرمہ بدقت جائے اور اس جائے رنگ و ثار میں جنین محبوس ہوتا ہے، وہ بھی یوں نہیں بلکہ خود اس پر تین غلاف اور چڑھے ہوتے ہیں، ایک غشائے رقیق ملاقی جسم نہیں، جس میں اس کا فضلۂ عرق جمع ہوتا ہے، اس پر ایک اور حجاب اس سے کشف تر مسمّٰی بہ غشا لفافی جس میں فضلۂ بول مجتمع رہتا ہے، اس پر ایک اور غلاف اکنف کہ سب کو محیط ہے جسے شیمہ کہتے ہیں، ایسی حالتوں میں بدن نظر آنے کا کیا محل ہے، تو ظاہراً آلہ کا محصل صرف بعض علامات و امارات ممیرہ من جملہ خواص خارجیہ کا بتانا ہوگا جس سے

ذکورت وانوثت کا قیاس کا قیاس ہوسکے، جیسے کہ رحم کی تجویف ایمن یا ایسر میں حمل کا ہونا یا اور بعض تجربیات کہ تازہ حاصل کے لیے ہوں اگر اسی قدر ہے تو کوئی نئ بات نہیں پہلے بھی مجربین قیاسات فارقہ رکھتے تھے جیسے داہنے یا بائیں طرف جنین کی بیشتر جنبش یا حاملہ کی پستان راست وچپ کے حجم میں افزائش یا سرہائے پستان میں سرخی یا ادواہٹ آنا یارنگ روئے زن پر شادابی یا تیرگیپھانا یا حرکات زن میں خفت یا ثقل یا نایا قاروئے میں اکثر اوقات حرت یا بیاض غالب رہتی یا عورت کے خلاف عادت بعض اطعمہ جیدہ یا دریہ کی رغبت ہونی۔

اور عجائب صنعہ الٰہی جلد حکمت سے یہ بھی محتمل کہ کچھ ایسی تدابیر القا فرمائی ہو جن سے جنین مشاہدہ ہی ہوجاتا ہو مثلاً بذریعہ قواسر پانچوں حجابوں میں کچھ توسیع وتفریح دے کر روشنی پہنچا کر کچھ شیشے ایسی روضاع پر لگائیں کہ باہم تادیہ مکوس کرتے ہوئے زجاج عقرب ہر عکس لے آئیں یا زجاجات متخالفۃ الملا ایسی وضعیں پائیں کہ اشعۃ بصریہ کو حسب قاعدہ معروضہ علم ناظر الفطاذ دیتے ہوئے جنین تک لے جائیں۔(۱۱)

قارئین کرام! اسی پر بس نہیں بلکہ مستقل ایک راسلہ بنام الصمام علی مسلک فی آیۃ علوم الارحام ۱۳۱۵ھ ہے جس میں دلائل وبراہین سے ڈاکٹروں کے ادعا کا رد ہے۔

مزید تفصیل کے لیے مذکورہ رسالہ یا فتاویٰ رضویہ مترجم جلد ۲۶ ص ۴۶۷ تا ۴۸۷ مطالعہ کریں۔

فائدہ: بطن مادر میں جنین (Embryo) کے ارتقائی مرحلے تین پردوں میں تکمیل پذیر ہوتے ہیں، جنھیں قرآن کریم نے ظلمات ثلاث (Three veils of darkness) سے تعبیر کیا ہے، آیت طیبہ میں ظلمات ثلاث کے حوالے سے حضرت محدث بریلوی نے جن جن پردوں کا شمار کردیا، ان پردوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) Anterior abdominal wall

Uterine Wall(۲)

Amnio chorionic memdrance(۳)

قرآن کریم نے ظلمات (Veiw of darkness) کا لفظ استعمال کیا ہے مستعمل (layers) کے ہے نہیں بلکہ تاریکیوں (Opacities) کے معنیٰ میں معتمل ہے چوں کہ ہر پردہ کے اندر مزید کئی تہیں ہیں، اسی لیے رب تعالیٰ نے انھیں ظلمات کے لفظ کے ذریعہ واضح فرمایا ہے۔

ظلمات ثلاث کی ایک اور متبادل سائنسی تعبیر بھی ہے:

Chorion(۱)

Aminion(۲)

Amniotic flaid(۳)

علم آثار قدیمہ:

یہ وہ علم ہے جس کے اندر قدیم تاریخی چیزوں اور عجائبات زمانہ کا تذکرہ کیا جاتا ہے، آپ کی تصانیف میں یہ علم بھی بکثرت پایا جاتا ہے، نمونہ کے طور پر ملاحظہ فرمائیں۔

کسی نے مصر کے میناروں کا تذکرہ کیا، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا۔

''آپ کی تعبیر حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چودہ ہزار برس پہلے ہوئی، نوح علیہ السلام کی امت پر جس روز عذاب طوفان نازل ہوا پہلی رجب تھی، بارش بھرپور ہورہی تھی اور زمین سے پانی ابل رہا تھا، بحکم رب العالمین نوح علیہ السلام نے ایک کشتی تیار کی جو ۱۰ رجب کو تیرنے لگی، اس کشتی پر ۸۰ آدمی سوار تھے''۔

دسویں محرم کو ۶/ ماہ کے بعد سفینہ مبارک جودی پہاڑ پر ٹھہرا، سب لوگ پہاڑ سے اترے اور پہلا شہر جو بسایا گیا اس کا نام ''توق اثمانین'' رکھا گیا، یہ بستی

جبل نہاوند کے قریب متصل اوحل واقع ہے، اس طوفان میں دو عمارتیں مثل گنبد و منارہ باقی رہ گئی تھیں جنھیں کچھ نقصان نہ پہچا اس وقت روئے زمین میں سوائے ان کے کوئی اور عمارت نہ تھی۔

امیرالمومنین مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے انھیں عمارتوں کی نسبت منقول ہے، بنی الہرمین والنبر نی سرطان یعنی دونوں عمارتیں اس وقت بنائی گئی جب ستارہ نیر نے برج برطان میں کومل کی تھی نیسر دوستارے ہیں نسر واقع اور نسر طائر، جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے نسر واقع مراد ہوتا ہے، ان کے دو بازوں پر ایک گدھ کی تصویر ہے اور اس پنجہ میں کنگچہ ہے جس سے تاریخ تعمیر کی طرف اشارہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نسر واقع برج سرطان میں آیا، اس وقت یہ عمارت بنی جس کے جمع سے بارہ ہزار چھ سو چالیس سال ساڑھے آٹھ مہینے ہوتے ہیں کہ ستارہ ہر چونسٹھ برس قمری سات مہینہ ستائس دن میں ایک درجہ طے کرتا ہے اور اب برج جدی کے سولہویں درجہ میں ہے تو جب سے چھ برج ساڑھے پندرہ درجہ سے زائد طے کر گیا تو آدم علیہ السلام کی تخلیق سے تقریباً پونے چھ ہزار برس پہلے کے ہوئے ہیں کہ ان کے آفرینش کو سات ہزار سے کچھ زائد ہوئے، لاجرم یہ قوم جن کی تعمیر ہے کہ پیدائش آدم علیہ السلام سے پہلے ساٹھ ہزار برس زمین پر رہ چکی تھی۔ (۱۲)

مقام ابراہیم کے تعلق سے فرماتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کے وقت وہ پتھر مطاف کے اندر دیوار کعبہ کے قریب تھا، مقام ابراہیم جہاں آج ہے وہیں جاہلیت اور عہد رسالت اور زمانہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میں تھا اور ظاہر یہی ہے کہ بیت اللہ شریف کے متصل ہی تھا، پھر بعد میں کسی حکمت کی وجہ سے موجودہ مقام تک کھسکایا گیا، حضرت ابراہیم علیہ اسلام دیوار چنتے تھے اعلان حج کے وقت وہ پتھر وہیں پڑا رہا۔ (۱۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مبارکہ اور حجرات ازواج مطہرات کے

تعلق سے رقم طراز ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مبارکہ اور حجرات ازواج مطہرات میں کوئی فاصلہ نہ تھا، حجرے مسجد کے مشرقی کنارہ پر تھے تو دروازے سے باہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشتگاہ مسجد مبارک ہی میں تھی۔ (۱۴)

تفصیل کے لیے آپ کی کتاب شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر ۱۳۲۷ھ کا مطالعہ کریں۔

جوابہات (۱) اجالاص ۲۴، پروفیسر محمد مسعود احمد المجمع الاسلامی مبارکپور۔
(۲) مصدر سابق ص ۲۷ تلخیص و ترمیم (۳) فتاویٰ رضویہ ج ۲۷ ص ۲۴۵ مقدمہ فوز مبین مرکز دینی سنت برکات رضا پور بندر گجرات[۱]۔

آپ کی بیعت وخلاف:

امام احمد رضا ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء بعمر اکیس سال کچھ ماہ خاتم الاکابر حضرت سیدنا شاہ آل رسول المدنی برکاتی مارہروی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور اسی وقت مختلف واسطوں سے تمام سلسلوں کی خلافت واجازت سے نوازے گئے[۲]۔

حضرت خاتم الاکابر کا معمول تھا کہ آپ اس وقت تک کسی کو خلافت و اجازت عطا نہیں فرماتے تھے جب تک برسوں ریاضت ومجاہدہ نہ کرالیتے امام احمد رضا کو معمول کے برخلاف بیعت ہوتے ہی اجازت وخلافت سے نوازا تو آپ کے ولی عہد حضرت سیدنا ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ نے عرض کیا، حضور! آج معمول کے برخلاف اس نوجوان کو اجازت وخلافت سے کیسے نوازا گیا؟ حضرت خام الاکابر نے فرمایا، میاں صاحب! لوگ زنگ آلود قلب لے کر آتے ہیں جن کو

۱۔ مقالات فیضان اشرف ص ۶۵۔ ۲۔ امام احمد رضا نمبر، ص ۲۳۶۔

صاف کرنے کے لیے ان سے ریاضت ومجاہدہ کرایا جاتا ہے، یہ نوجوان مجلی ومصفی قلب لے کر حاضر ہوا تھا جس کی صفائی کی ضرورت نہیں تھی، صرف نسبت درکار تھی، وہ بیعت سے حاصل ہوگئی، اس لیے میں نے ان سے ریاضت ومجاہدہ کرائے بغیر خلافت و اجازت دے دی اور میاں صاحب! یہ وہ نوجوان ہے کہ کل میدان قیامت میں خدا نے پوچھا کہ آل رسول دنیا سے کیا لے کر آے ہو؟ تو میں اسی نوجوان کو پیش کردوں گا۔

جب تک خاتم الاکابر حیات ظاہری سے رہے امام احمد رضا خاں محدث بریلوی سے سلوک ومعرفت کی تعلیم حاصل کرتے رہے اور جب ان کا وصال ہوا تو خاتم الاکابر کے حسب ارشاد آپ کے سجادہ نشیں سیدنا ابوالحسین احمد نوری سے اکتساب فیوض کیا، اس طرح آپ ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ باطنی بھی پورے طور پر بہرمندہ تھے[۱]۔

رشد وہدیت:

امام احمد رضا ظاہری علوم کے امام نہ تھے بلکہ باطنی علوم کے بھی وارث و امین تھے، اس لیے بہت سے علماء و مشائخ نے رشد و ہدایت کے سلسلہ میں بھی آپ سے فیوض پائے اور اجازت وخلافت حاصل کی۔

آپ کے خلفاء حضرات:

آپ کے چند مشہور خلفاء کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) شیخ محمد عبدالحیٔ ابن شیخ کبیر عبدالکبیر فاسی محدث بلاد مغرب افریقہ۔

(۲) شیخ محمد اسمعیل مکی محافظ کتب خانہ حرم شریف۔

---

[۱] امام احمد رضا نمبر ۲۳۶، حیات اعلیٰ حضرت، ص ۳۵۔

(۳) شیخ مصطفیٰ خلیل مکی۔
(۴) شیخ محمد مامون ایوبی مدنی۔
(۵) شیخ اسعد دھّان مکی۔
(۶) شیخ عبدالرحمٰن۔
(۷) شیخ محمد عابد بن حسین مفتی مالکیہ۔
(۸) شیخ علی حسین مکی۔
(۹) شیخ جمال بن محمد امیر مکی۔
(۱۰) شیخ عبداللہ بن احمد ابوالخیر مکی۔
(۱۱) شیخ عبداللہ دحلان مکی۔
(۱۲) شیخ بکر رفیع مکی۔
(۱۳) شیخ ابوحسین محمد مرزوقی امین الفتویٰ۔
(۱۴) شیخ حسن عجمی۔
(۱۵) شیخ الدلائل سید محمد سعید مدنی۔
(۱۶) شیخ عمر المعروسی۔
(۱۷) شیخ عمر بن محمد ان مدنی۔
(۱۸) شیخ احمد خضراوئی مکی۔
(۱۹) شیخ ابوالحسن محمد مرزوقی۔
(۲۰) شیخ حسین مالکی۔
(۲۱) شیخ علی بن حسین۔
(۲۲) شیخ محمد جمال۔
(۲۳) شیخ صالح کمال سابق مفتی حنفیہ۔
(۲۴) شیخ عبداللہ۔

(۲۵) شیخ احمد ابوالخیر۔
(۲۶) شیخ سالم خضرمی۔
(۲۷) شیخ سید علوی۔
(۲۸) شیخ ابوبکر بن سالم حضرمی۔
(۲۹) شیخ محمد بن عثمان مکی۔
(۳۰) شیخ محمد یوسف مہاجر مکی۔
(۳۱) شیخ عبدالقادر کردی۔
(۳۲) شیخ محمد بن سید ابی بکر۔
(۳۳) شیخ محمد بن سید محمد مغربی۔
(۳۴) شیخ ضیاء الدین مہاجر مدنی۔
(۳۵) حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خلف اکبر۔
(۳۶) مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں خلف اصغر۔
(۳۷) عیدالاسلام مولانا عبدالسلام جبل پوری۔
(۳۸) ملک العلماء مولانا ظفرالدین بہاری۔
(۳۹) صدرالشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی۔
(۴۰) صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی۔
(۴۱) عالم ربانی حضرت مولانا الشاہ سید احمد اشرف کچھوچھوی۔
(۴۲) مولانا سید دیدار علی محدث الوری۔
(۴۳) مولانا سید سلیمان اشرف بہاری۔
(۴۴) مولانا احمد مختار صاحب میرٹھی۔
(۴۵) عبدالعلیم صدیقی میرٹھی وغیرھم۔[۱]

---

[۱] (الف) الاجازات المتنیہ (ب) حاشیہ الاستمداد (ج) فقیہ اسلام، ص ۲۵۵)

امام احمد رضا اور محدث اعظم ہند:

حضور سید علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمہ کچھوچھوی کے فرزند حضرت شاہ سید احمد اشرف کچھوچھوی علیہ الرحمہ کی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضری کا واقعہ اس طرح ہے۔

ایک روز حضرت مولانا شاہ سید احمد اشرف صاحب قبلہ کچھوچھوی تشریف لائے ہوئے تھے، رخصت کے وقت انھوں نے عرض کیا کہ مولوی سید محمد قبلہ اشرفی اپنے بھانجے کو میں چاہتا ہوں کہ حضور کی خدمت میں حاضر کردوں، حضور جو مناسب خیال ہو ان سے کام لیں۔ ارشاد ہوا، ضرور تشریف لائیں یہاں فتوے لکھیں اور مدرسہ میں درس دیں۔الخ

پھر فرمایا ''سید محمد اشرفی قبلہ تو میرے شاہزادے ہیں میرے پاس جو کچھ ہے وہ انہی کے جد امجد یعنی حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا صدقہ وعطیہ ہے۔

پھر آگے پروفیسر مجید اللہ لکھتے ہیں۔

''اعلیٰ حضرت بھی آپ کے سید ہونے کی وجہ سے بہت احترام کرتے اور بڑے ادب سے پیش آتے یہاں تک کہ ہاتھ چومتے''[۲]۔

ماہ شوال ۱۳۷۹ھ کو ناگپور میں ہونے والے ایک جلسہ جشن یوم ولادت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خطبہ صدارت میں حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

میں کار افتاء کے لیے جب بریلی حاضر ہوا اور جمعہ کا دن آیا تو میں مسجد میں سب سے پہلی صف میں تھا، نماز ہوگئی تو مجھے دریافت فرمایا کہ کہاں ہیں؟ میں بریلی کے لیے بالکل نیا شخص تھا، لوگ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے یہاں تک کہ اعلیحضرت خود کھڑے ہوگئے اور باب مسجد پر مجھ کو دیکھ لیا تو مصلی سے

---

[۱] تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص۲۲۳ ہفت رضا بلدیہ سکندری رامپور شمارہ ۱۰ مئی ۱۹۴۶ء

اٹھ کر صف آخر میں مجھ کو مصافحہ سے نوازا، اس سے زیارت کا ارادہ فرمایا تو میں تھرا کر گر پڑا[۱]۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے آپ کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا تھا، آپ کو بھی اپنے مرشد برحق اعلیٰ حضرت سے خاص عقیدت ومحبت تھی، عرس رضوی بریلی شریف میں ہر سال حاضر ہوتے اور اعلیٰ حضرت کی قائم کردہ ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' کے تاحیات صدر رہے[۲]۔

یہاں پر ایک بات قابل غور ہے کہ ''الملفوظ'' کی مذکورہ بالا عبارت سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کو ''سید'' مانا ہے اور انھیں سید ''محمد اشرفی صاحب'' کہہ کر خطاب فرمایا۔ لیکن آج بعض لوگ حضور شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی قبلہ مدظلہ العالی کے سید ہونے کا انکار کررہے ہیں، اور ستم یہ کہ ان پر شیعہ اور رافضی ہونے کے فتوے شائع کررہے ہیں، یہ کس قدر جہالت اور کتنی افسوس کی بات ہے۔ باوجود اس کے کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا ''احترام سید'' کے سلسلے میں یہاں تک فرمان ہے کہ سید سے جب تک کفر وارتداد صادر نہ ہو اس کی تعظیم کی جائے، نیز ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا۔

''سنی سید کی بے توقیری سخت حرام ہے، غرض کہ ایسے لوگوں، خصوصاً علمائے کرام کو چاہئے کہ اعلیٰ حضرت کے اس فرمان سے عبرت حاصل کریں''[۳]۔

نبیرۂ حضرت محدث سورتی مولانا قاری احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ وصال شریف کے بعد اعلیٰ حضرت کو غسل دینے کے لیے بستر سے اٹھایا گیا تو

---

[۱] مقام مجدد اعظم از محدث اعظم ہند حضور برہان ملت ص۲۲، خطبات علمائے اہل سنت حصہ اول۔
[۲] تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حصرت، ص۳۲۳۔ [۳] فتاویٰ رضویہ جلد دہم نصف آخر، ص۱۳۱، بحوالہ امام احمد رضا اور احترام سادات۔

سرہانے سے ایک کاغذ برآمد ہوا جس پر سورہ دہر کی یہ آیہ کریمہ لکھی ہوئی تھی۔

”وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَاب“

نیچے لکھا ہوا تھا اگر اس آیت کو واؤ سمیت پڑھا جائے تو میرے انتقال کی تاریخ نکلتی ہے اور اگر بغیر واؤ کے پڑھیں تو حضرت مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیت کے انتقال کے تاریخ نکلتی ہے۔ حضرت محدث سورتی علیہ الرحمہ کا انتقال اعلیٰ حضرت کے وصال سے ۶ رسال قبل ۱۳۳۴ھ میں ہوا تھا[1]۔

مسافر عالم بالا کی پیشین گوئی:

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ان کاملین میں تھے جن کے قلوب پر فرائض الٰہیہ کی عظمت چھائی رہتی ہے چنانچہ جب ۱۳۳۹ھ کا ماہ رمضان شریف مئی و جون ۱۹۲۱ء میں پڑا اور مسلسل علالت وضعف فراواں کے باعث اعلیٰ حضرت نے اپنے اندر امسال کے موسم گرما میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ پائی تو اپنے حق میں فتویٰ دیا کہ پہاڑ پر سردی ہوتی ہے وہاں روزہ رکھنا ممکن ہے، لہٰذا روزہ رکھنے کے لیے وہاں جانا استطاعت کی وجہ سے فرض ہوگیا، پھر آپ روزہ رکھنے کے ارادے سے کوہ بھوالی ضلع نینی تال تشریف لے گئے، آپ کو اپنے آقا ومولیٰ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمودہ علوم سے معلوم ہو چکا تھا کہ مجھے ۱۳۴۰ھ میں دنیائے دنی سے کوچ کر کے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونا ہے چنانچہ بھوانی پہاڑ ہی پر ۳ر رمضان ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۰رمئی ۱۹۲۱ء کو اپنی تاریخ وصال کی خبر دیتے ہوئے آپ نے قلم حق رقم سے یہ آیت کریمہ تحریر فرمائی۔

”وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّاَكْوَاب“

۱ ۳ ۴ ۰ ھ

---

[1] حیات اعلیٰ حضرت، ص ۵۷۳۔

''یعنی خدام چاندی کے کٹورے اور گلاس لیے ان کو گھیرے ہیں''

اللہ اللہ! سرکار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمودہ علوم کا حامل اپنے انتقال سے چار ماہ بائیس دن پہلے اپنے وصال کی خبر دے رہا ہے، حتی کہ اس نے اپنی دنیوی زندگی ہی میں وہ آیت مقدسہ بھی تحریر کردی جو اس کے مادۂ تاریخ وفات پر مشتمل ہے اور پھر دنیا نے دیکھ بھی لیا کہ اپنا مادۂ تاریخ وصال پیش کرنے والا یہ موید من اللہ ٹھیک ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ کو عالم بالا کے سفر پر پرروانہ ہوگیا، لیکن یہ سب دیکھنے اور سننے کے باوجود منکرین علم مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ابھی تک یہی بکتے اور لکھتے جارہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی موت کی خبر نہ تھی۔ (معاذ اللہ تعالیٰ)

دست حق پرست کی آخری تحریر:

آپ نے ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ جمعہ مبارکہ کو وصال سے دو گھنٹہ سترہ منٹ پیشتر تجہیز و تکفین وغیرہ سے متعلق ضروری وصایا جو چودہ اہم باتوں پر مشتمل ہے قلم بند کرائے اور آخر میں بارہ بج کر اکیس منٹ پر خود دست اقدس سے حمد و درود شریف کے مندرجہ ذیل کلمات تحریر فرمائے۔

وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ وَلَهُ الْحَمْدُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالىٰ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ عَلىٰ شَفِيْعِ الْمُذْنِبِيْنَ وَاٰلِهٖ الطَّيِّبِيْنَ وَصَحْبِهٖ الْمُكَرَّمِيْن وَابْنِهٖ وَحِزْبِهٖ اِلىٰ اَبَد الاَبِدِيْن آمِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن[۱]۔

---

[۱] سوانح اعلیٰ حضرت، ص ۳۷۹۔

اختتام

رب تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اسے قبول فرمائے، میرے لیے کفارۂ سیات اور صدقہ جاریہ بنائے مسلمانوں کے لیے اسے نافع بنائے جو کوئی شخص بھی اس کتاب سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ بیکس گناہگار کے لیے حسن خاتمہ اور معافی سیات کی دعا کرے، اور امید ہے کہ اس کا مطالعہ کرنے والے خوش نصیب حضرات ہمارے حق میں دعائے خیر کریں گے، اور اللہ تعالیٰ سے اپنی مغفرت وبخشش کے جب طلبگار ہوں تو ہمیں بھی ان نعمتوں کے حصول میں شامل فرمائیں گے اور اس میں کہیں بھی کوئی لغزش، غلطی، کوتاہی یا تقصیر دیکھیں یا محسوس کریں تو ضرور آگاہ کریں۔

احقر محمد ساجد حسنی قادری

خادم: شعبۂ دارالافتاء جامعہ خدیجہ للبنات

ساہوکادہ لائن پار اشرف نگر پورنپور ضلع پیلی بھیت۔

Mob. 9634316786 / 8923565192

☆☆☆